اوّل ایڈیشن: ماہِ صفر المظفّر 1443ھ/ اکتوبر 2021

متعدد نظریاتی، فقہی، اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ

# علمی اور اصلاحی مقالات

(جلد: 1)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

# پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب در حقیقت ''سلسلہ اصلاحِ اَغلاط'' کے تحت تحریر کیے گئے سینکڑوں تحریرات میں سے پندرہ مقالات و مضامین کا منتخب مجموعہ ہے، یہ اس کی پہلی جلد ہے، رفتہ رفتہ اس کی مزید جلدیں بھی عام کی جائیں گی ان شاء اللہ۔

حضرات اہلِ علم سے درخواست ہے کہ اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، بندہ ممنون رہے گا۔ جزاکم اللہ خیرًا

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرماکر بندہ کے لیے، بندہ کے والدین، اہل وعیال، خاندان، اساتذہ کرام، حضرات اکابر، مشایخ کرام، احباب اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

بندہ مبین الرحمٰن
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
ماہِ صفر المظفر 1443/ اکتوبر 2021
03362579499

# اجمالی فہرست

**مقالہ نمبر** 1: عصر کے مکروہ وقت میں نمازِ عصر کی ادائیگی کا حکم-------------4

**مقالہ نمبر** 2: نمازِ جنازہ میں کثرتِ تعداد کی برکت----------------------8

**مقالہ نمبر** 3: شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا خود ساختہ نظریہ ------17

**مقالہ نمبر** 4: نمازِ جنازہ میں ثنا اور دُرود شریف پڑھنے کا حکم --------------28

**مقالہ نمبر** 5: نافرمان اولاد کو مال و جائیداد سے عاق کرنے کی شرعی حیثیت------36

**مقالہ نمبر** 6: خریداری کے وکیل کے لیے نفع اور اُجرت لینے کا حکم----------44

**مقالہ نمبر** 7: میت کا چہرہ دیکھنے کی مروّجہ رسم----------------------51

**مقالہ نمبر** 8: بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کا حکم-------------57

**مقالہ نمبر** 9: دین سیکھنے میں شدتِ احتیاط کے چند پہلو-----------------61

**مقالہ نمبر** 10: گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھانے کا حکم--------------69

**مقالہ نمبر** 11: ڈیجیٹل تصویر پر ماشاءاللہ لکھنے کا حکم -----------------77

**مقالہ نمبر** 12: دائمی نقشہ اوقاتِ نماز سمجھیے! ---------------------82

**مقالہ نمبر** 13: گانوں کے طرز پر حمد و نعت پڑھنے کی مذمت-------------104

**مقالہ نمبر** 14: ایصالِ ثواب کے نام پر اجتماعی قرآن خوانی کا حکم----------111

**مقالہ نمبر** 15: ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم --------------124

**مقالہ نمبر 1:**

# عصر کے مکروہ وقت میں نمازِ عصر کی ادائیگی کا حکم

**فہرست:**


- عصر کے مکروہ وقت میں نمازِ عصر کی ادائیگی سے متعلق غلط فہمیاں۔
- نمازِ عصر کا وقتِ ادا۔
- نمازِ عصر کا وقتِ مکروہ۔
- عصر کے وقتِ مکروہ میں عصر کی نماز ادا کرنے کا حکم۔
- عصر کی نماز کے دوران سورج غروب ہو جائے تو نماز کا حکم۔


مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## عصر کے مکروہ وقت میں نمازِ عصر کی ادائیگی سے متعلق غلط فہمیاں:

عصر کے مکروہ وقت میں نمازِ عصر کی ادائیگی سے متعلق بہت سے لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہیں، چنانچہ بعض لوگ عصر کے مکروہ وقت میں اُس دن کے عصر کی وقتی نماز ادا نہیں کرتے بلکہ قضا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ جب دیکھتے ہیں کہ مغرب کا وقت داخل ہونے میں دو تین منٹ رہتے ہیں تو وہ اُس دن کے عصر کی وقتی نماز ادا نہیں کرتے بلکہ قضا کر دیتے ہیں۔ یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ اب عصر کی نماز ادا کرنے کا وقت باقی نہیں رہا، یا اس وقت عصر کی نماز ادا کرنے کا کیا فائدہ؟ بعد میں قضا کے طور پر ادا کر لیں گے۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ عصر کا مکروہ وقت کب داخل ہوتا ہے۔

یہ ساری صورتحال دین سے لاعلمی کا نتیجہ ہے، اس لیے ہمیں دین کے تفصیلی احکام سیکھنے چاہییں کیوں کہ اس کے بغیر دین پر ٹھیک طرح عمل کرنا مشکل ہے۔ ذیل میں عصر کی نماز کے مکروہ وقت سے متعلق تفصیل ذکر کی جاتی ہے تاکہ ان تمام غلطیوں کا ازالہ ہو سکے۔

### نمازِ عصر کا وقتِ ادا:

نمازِ ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی نمازِ عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ مغرب تک رہتا ہے کہ جیسے ہی نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے تو نمازِ عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

### نمازِ عصر کا وقتِ مکروہ:

مغرب کا وقت داخل ہونے سے پہلے سورج غروب ہونے کا جو وقت ہوتا ہے یہ عصر کا وقتِ مکروہ کہلاتا ہے، یہ وہ وقت ہوتا ہے جب سورج پیلا پڑ جاتا ہے اور اس کی طرف سہولت سے دیکھا جا سکتا ہے، اس لیے جب سورج کی یہ حالت ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ عصر کا مکروہ وقت شروع ہو چکا ہے جو کہ مغرب کا وقت داخل ہونے تک رہتا ہے، اور یہ عصر کے آخری تقریباً پندرہ منٹ ہوتے ہیں، یعنی مغرب کا وقت داخل ہونے سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے کا وقت عصر کا وقتِ مکروہ کہلاتا ہے۔ (رد المحتار، عمدۃ الفقہ و دیگر کتب)

## عصر کے وقتِ مکروہ میں عصر کی نماز ادا کرنے کا حکم:

واضح رہے کہ عصر کی نماز میں بلا عذر اس قدر تاخیر کرنا گناہ ہے کہ عصر کا مکروہ وقت داخل ہو جائے، البتہ اگر کسی نے عصر کی نماز ادا نہیں کی چاہے بلا عذر ہو یا کسی عذر کی وجہ سے، یہاں تک کہ عصر کا مکروہ وقت داخل ہو گیا تو ایسی صورت میں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی مکروہ وقت ہی میں عصر کی نماز ادا کرے، کیوں کہ اگر وہ عصر کی نماز ادا نہیں کرے گا تو نماز قضا ہو جائے گی اور نماز قضا کر دینا ناجائز اور بڑا گناہ ہے۔ واضح رہے کہ مکروہ وقت میں ادا کی جانے والی یہ عصر کی نماز ادا ہی شمار ہو گی نہ کہ قضا۔ (عمدۃ الفقہ، رد المحتار)

## عصر کی نماز کے دوران سورج غروب ہو جائے تو نماز کا حکم:

اگر کسی نے عصر کی نماز شروع کی اور نماز کے دوران ہی سورج غروب ہو گیا یعنی مغرب کا وقت داخل ہو گیا تو ایسی صورت میں وہ اپنی نماز مکمل کرے، اور یہ نماز بھی ادا ہی شمار ہو گی نہ کہ قضا۔(رد المحتار)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے عصر کی نماز ادا نہیں کی اور مکروہ وقت داخل ہو گیا حتی کہ مغرب کی نماز کا وقت داخل ہونے میں کچھ ہی وقت رہ گیا ہو تو ایسی صورت میں جلدی سے عصر کی نماز شروع کر دینی چاہیے تاکہ نماز قضا نہ ہونے پائے، ایسی صورت میں بھی نماز کو قضا کر دینا جائز نہیں۔

**تنبیہ:** ماقبل کی تفصیل سے ان حضرات کی غلطی واضح ہو جاتی ہے کہ جو عصر کے مکروہ وقت میں اس دن کے عصر کی وقتی نماز ادا نہیں کرتے بلکہ قضا کر دیتے ہیں، حالاں کہ اگر کسی نے عصر کی نماز ادا نہیں کی اور مکروہ وقت داخل ہو گیا تو اسی مکروہ وقت ہی میں نمازِ عصر کی ادائیگی ضروری ہے، ایسی صورت میں نماز کو قضا کر دینا بڑا گناہ ہے۔

**فائدہ:** عصر کی نماز کے وقت سے متعلق تفصیلی احکام کے لیے بندہ کے سلسلہ اصلاحِ اغلاط کا سلسلہ نمبر 103: ''عصر کی نماز کا وقت اور اس کے احکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

# احادیث مبارکہ اور فقہی عبارت

- صحیح بخاری:

٥٥٦- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ».

٥٧٩- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ».

- فتاویٰ ہندیہ:

ثَلَاثُ سَاعَاتٍ لَا تَجُوزُ فيها الْمَكْتُوبَةُ وَلَا صَلَاةُ الْجِنَازَةِ وَلَا سَجْدَةُ التِّلَاوَةِ: إذَا طَلَعَتْ الشَّمْسُ حتى تَرْتَفِعَ وَعِنْدَ الِانْتِصَافِ إلَى أَنْ تَزُولَ وَعِنْدَ احْمِرَارِهَا إلَى أَنْ يَغِيبَ، إلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ ذلك فإنه يَجُوزُ أَدَاؤُهُ عِنْدَ الْغُرُوبِ، هَكَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ»، قال الشَّيْخُ الْإِمَامُ أبو بَكْرٍ محمد بن الْفَضْلِ: ما دَامَ الْإِنْسَانُ يَقْدِرُ على النَّظَرِ إلَى قُرْصِ الشَّمْسِ فَهِيَ في الطُّلُوعِ، كَذَا في «الْخُلَاصَةِ». (الْفَصْلُ الثَّالِثُ في بَيَانِ الْأَوْقَاتِ التي لَا تَجُوزُ فيها الصَّلَاةُ وَتُكْرَهُ فيها)

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
21 محرم الحرام 1442ھ/10 ستمبر 2020

**مقالہ نمبر 2:**

# نمازِ جنازہ میں کثرتِ تعداد کی برکت

**فہرست:**


- نمازِ جنازہ میں کثرتِ تعداد کی برکت۔
- نمازِ جنازہ میں سو افراد کی شرکت کی برکت۔
- نمازِ جنازہ میں چالیس افراد کی شرکت کی فضیلت۔
- نمازِ جنازہ میں تین صفیں بنانے کی برکت۔
- نمازِ جنازہ میں آخری صف کی افضیلت۔



مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## نمازِ جنازہ میں کثرتِ تعداد کی برکت:

متعدد احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مؤمن میت کی نمازِ جنازہ میں زیادہ افراد کی شرکت اس کے لیے بڑی ہی برکت، رحمت اور اہمیت کا باعث ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے محض اسی بنیاد پر بھی میت کے لیے مغفرت اور جنت کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، کیا شانِ کریمی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی! ایسی احادیث کی بنیاد پر کسی مسلمان میت کے ساتھ آخرت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی کا حسنِ ظن بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔

ذیل میں اس حوالے سے احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں تاکہ اس کے مختلف پہلو واضح ہوسکیں۔

## نمازِ جنازہ میں سو افراد کی شرکت کی برکت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "اگر کسی مسلمان میت پر مسلمانوں کی اتنی جماعت نمازِ جنازہ پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچتی ہو اور وہ سب اس میت کے لیے (اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی) سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول کردی جاتی ہے۔"

- صحیح مسلم میں ہے:

٢٢٤١- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ: أَخْبَرَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ -رَضِيعِ عَائِشَةَ- عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ مَيِّتٍ يُصَلِّ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ».

(باب مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ مِائَةٌ شُفِّعُوا فِيهِ)

یہ حدیث مسند احمد اور سنن النسائی میں بھی ہے۔ اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1۔ کسی مسلمان میت کی نمازِ جنازہ میں سو مسلمانوں کی شرکت بڑی ہی برکت اور اہمیت رکھتی ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس میت کے حق میں ان مسلمانوں کی سفارش قبول فرمالیتے ہیں۔

2۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ جب کسی مسلمان کی نمازِ جنازہ میں کم از کم سو مسلمان افراد شریک

ہو جائیں تو اس کی وجہ سے میت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی کا حسنِ ظن رکھنا چاہیے۔

3۔ اس حدیث میں میت کے لیے مغفرت کی سفارش کرنے سے کوئی الگ سے عمل یا دعا مراد نہیں بلکہ نمازِ جنازہ میں میت کی مغفرت کے لیے مانگی جانے والی دعا ہی مراد ہے، یہی بندوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میت کے حق میں سفارش قرار دی جاتی ہے۔

4۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کی نمازِ جنازہ میں اگر افراد کم شریک ہوں تو ایسی صورت میں سو افراد کی تعداد پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ میت کے لیے بہت ہی مفید اور مبارک عمل ہے۔''

## نمازِ جنازہ میں چالیس افراد کی شرکت کی فضیلت:

حضرت کُرَیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیٹے کا انتقال ہوا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ: کریب! باہر جاکر دیکھ آؤ کہ (نمازِ جنازہ کے لیے) کتنے لوگ جمع ہو چکے ہیں؟ کریب فرماتے ہیں کہ میں نے جاکر دیکھا تو کئی سارے لوگ جمع ہو چکے تھے، تو میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اس حوالے سے اطلاع دی، تو انھوں نے پوچھا کہ ان کی تعداد چالیس تک ہو گی؟ تو میں نے کہا کہ جی ہاں! تو انھوں نے فرمایا کہ میت کو باہر لے جاؤ، کیوں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''جو مسلمان فوت ہو جائے اور اس کی نمازِ جنازہ میں چالیس ایسے مسلمان شریک ہو جائیں جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما لیتے ہیں۔''

- صحیح مسلم میں ہے:

٢٢٤٢- عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ ابْنٌ لَهُ بِقُدَيْدٍ أَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ: يَا كُرَيْبُ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ. قَالَ: فَخَرَجْتُ فَإِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوا لَهُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: تَقُولُ: هُمْ أَرْبَعُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: أَخْرِجُوْهُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُونَ بِاللهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللهُ فِيهِ». (باب مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ أَرْبَعُوْنَ شُفِّعُوا فِيهِ)

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ:

1۔ کسی مسلمان میت کی نمازِ جنازہ میں چالیس مسلمانوں کی شرکت بھی بڑی ہی برکت اور اہمیت رکھتی ہے کہ اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے میت کے حق میں ان مسلمانوں کی سفارش قبول فرماتے ہوئے اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ اس سے بھی ایسی میت کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

2۔ پچھلی حدیث میں نمازِ جنازہ میں سو افراد کی شرکت کا ذکر تھا جبکہ اس حدیث میں چالیس افراد کی شرکت کا ذکر ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ اگر کسی مسلمان میت کی نمازِ جنازہ میں سو مسلمانوں کی بجائے چالیس مسلمان بھی شریک ہوجائیں تب بھی اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی سفارش کو کافی سمجھتے ہوئے اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

3۔ اس حدیث سے شرک کی بھی مذمت ثابت ہوتی ہے، اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کے شرک سے بھرپور اجتناب کرے، یہ جہاں اس کے حق میں بھی ضروری ہے وہاں دوسرے مسلمان کی سفارش کے لیے بھی اہم ہے کہ مشرک کی سفارش اللہ تعالیٰ میت کے حق میں قبول نہیں فرماتے ہیں۔

## نمازِ جنازہ میں تین صفیں بنانے کی برکت:

حضرت مالک بن ہُبَیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جب کوئی مسلمان فوت ہوجائے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نمازِ جنازہ ادا کریں تو (اللہ تعالیٰ اس میت کے لیے مغفرت اور جنت) واجب کردیتا ہے۔“

چنانچہ اسی حدیث کے پیشِ نظر حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب وہ دیکھتے کہ نمازِ جنازہ میں لوگ کم شریک ہوئے ہیں تو وہ ان کو تین صفوں میں تقسیم فرمادیتے۔

- سنن ابی داود میں ہے:

٣١٦٨- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ

عَنْ مَرْثَدٍ الْيَزَنِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَوْجَبَ». قَالَ: فَكَانَ مَالِكٌ إِذَا اسْتَقَلَّ أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ صُفُوفٍ؛ لِلْحَدِيثِ. (باب فِي الصُّفُوفِ عَلَى الْجَنَازَةِ)

یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ :

1۔ کسی میت پر مسلمانوں کی تین صفیں نمازِ جنازہ ادا کریں تو اللہ تعالیٰ اس میت کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور اس کے لیے جنت کو واجب فرمادیتے ہیں۔اسی حدیث کے پیشِ نظر متعدد فقہاء کرام نے نمازِ جنازہ میں تین صفیں بنانے کو مستحب قرار دیا ہے، حتی کہ اگر افراد بہت ہی کم ہوں تب بھی انھیں تین صفوں میں تقسیم کردیا جائے تاکہ یہ مذکورہ فضیلت حاصل ہوسکے، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ”بہشتی گوہر“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”جنازے کی نماز میں مستحب ہے کہ حاضرین کی تین صفیں کردی جائیں، یہاں تک کہ اگر صرف سات آدمی ہوں تو ایک آدمی ان میں سے امام بنادیا جائے،اور پہلی صف میں تین آدمی کھڑے ہوں، دوسری میں دو اور تیسری میں ایک۔ (کتاب الصلاۃ: جنازے کی نماز کے مسائل، صفحہ:146، ناشر: البشریٰ)

البتہ یہ بات واضح رہے کہ تین صفیں بنانے کی ترغیب کا تعلق زیادہ تر اس صورت کے ساتھ ہے جب مجمع کم ہو تو ایسی صورت میں سارے افراد ایک یا دو صفوں میں کھڑے ہونے کی بجائے تین صفوں میں تقسیم ہوجائیں، لیکن جہاں مجمع زیادہ ہو تو وہاں بظاہر اس کی ضرورت نہیں رہتی، کیوں کہ کثرتِ تعداد اور تین صفوں کا مقصد ویسے بھی حاصل ہو ہی جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات تو عملاً تین صفیں بنانا بہت ہی مشکل ہوجاتا ہے۔

2۔اس حدیث میں تین صفوں کا تو ذکر ہے لیکن ہر صف میں نمازِ جنازہ ادا کرنے والوں کی تعداد کا ذکر نہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ تین صفیں جیسی بھی بنالی جائیں تو اللہ تعالیٰ سے میت کے حق میں اس کرم نوازی کی امید ہونی چاہیے، جس کی تفصیل بیان ہوچکی۔

3۔ پچھلی احادیث میں نمازِ جنازہ میں سو یا چالیس افراد کی شرکت کا ذکر تھا جبکہ اس حدیث میں تین صفوں کا ذکر

ہے، تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ اگر کسی مسلمان میت کی نمازِ جنازہ میں کم از کم سو یا چالیس افراد بھی شریک نہ ہوں تو وہ اس کم مجمع کی تین صفیں بنالیں تب بھی اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی سفارش کو کافی سمجھتے ہوئے اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں، گویا کہ میت کی نمازِ جنازہ میں سو افراد یا چالیس افراد یا تین صفوں میں سے کوئی بھی صورت پائی جائے تو اللہ تعالیٰ سے میت کے حق میں کرم نوازی اور مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔

## نمازِ جنازہ میں آخری صف کی افضلیت:

زیرِ بحث مسئلے کے ضمن میں اسی سے متعلق یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ عام نمازوں میں پہلی صف کی بڑی ہی فضیلت اور اہمیت ہے، جبکہ ان کے برعکس متعدد فقہاء کرام کے نزدیک نمازِ جنازہ میں آخری صف افضل ہے، اور اس کے افضل ہونے کی دو وجوہات سامنے آتی ہیں:

1۔ نمازِ جنازہ درحقیقت میت کے حق میں سفارش ہے، اور سفارش کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں عاجزی مدنظر رکھی جائے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھا جائے، اس سے سفارش کی قبولیت کی امید بڑھ جاتی ہے، اور عاجزی کا تقاضا یہ ہے کہ اس معاملے میں آگے بڑھنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ پیچھے رہا جائے، اس لیے آخری صف افضل قرار دی گئی ہے۔

2۔ نمازِ جنازہ میں تین صفوں کا ہونا میت کے حق میں باعثِ برکت اور رحمت ہے، اس لیے اس میں آخری صف افضل ہے تاکہ مجمع کم ہونے کی صورت میں کم از کم تین صفیں بنانے کی کوشش کی جائے، کیوں کہ اگر پہلی صف افضل قرار دی جائے تو ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا اور یوں کم مجمع ہونے کی صورت میں تین صفیں بنی مشکل ہوجائیں گی، بلکہ سارے ایک ہی صف میں سما جائیں گے۔ گویا کہ آگے بڑھنے کے جذبے میں کہیں صفیں تین سے کم نہ ہوجائیں، اس لیے آخری صف افضل قرار دی گئی ہے۔

البتہ یہ واضح رہے کہ نمازِ جنازہ میں آخری صف افضل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اگلی صف میں کوئی بھی کھڑا نہ ہوا کرے، یہ تو ایک ظاہر سی بات ہے، باقی اس کی وجہ اور تفصیل بیان ہوچکی۔

## احادیث مبارکہ کا تقاضا:

ماقبل میں مذکور احادیث مبارکہ ہر مسلمان سے یہ تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے کی بھرپور کوشش کرے، کیوں کہ اس کی شرکت جہاں اس کے لیے اجر وثواب کا باعث ہے وہاں میت کے حق میں بھی نہایت ہی مفید اور اہمیت کی حامل ہے۔

- التمہید لابن عبد البر:

قَالَ أَبُو عُمَرَ: شُهُودُ الْجَنَائِزِ أَجْرٌ وَتَقْوَى وَبِرٌّ وَالْإِذْنُ بِهَا تَعَاوُنٌ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَإِدْخَالُ الْأَجْرِ عَلَى الشَّاهِدِ وَعَلَى الْمُتَوَفَّى، أَلَا تَرَى إِلَى قَوْلِهِ ﷺ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ أَنْ يَكُونُوا مِائَةً يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ»، رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ -وَكَانَ أَخَا عَائِشَةَ فِي الرَّضَاعَةِ- عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

## اہم تنبیہ:

ماقبل میں یہ بات تفصیل سے بیان ہوچکی کہ نمازِ جنازہ میں زیادہ افراد کی شرکت باعثِ برکت ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ زیادہ افراد کی شرکت کی وجہ سے نمازِ جنازہ میں تاخیر کی جائے، بلکہ شرعی حکم یہی ہے کہ جس قدر جلدی ہوسکے نمازِ جنازہ ادا کرکے میت کو دفن کردیا جائے، اس لیے محض لوگوں کے زیادہ شریک ہونے کی وجہ سے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنا درست نہیں۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ نمازِ جمعہ کے انتظار میں جنازے کو رکھے رکھتے ہیں کہ زیادہ نمازی نماز پڑھیں گے، سو یہ بالکل جائز نہیں، جس قدر جلد ممکن ہو نماز اور دفن سے فراغت واجب ہے۔“

(اصلاحِ انقلابِ امت صفحہ 250، ناشر: البشریٰ)

# فقہی عبارات

- **الدر المختار:**

وَأَفْضَلُ صُفُوفِهَا آخِرُهَا؛ إِظْهَارًا لِلتَّوَاضُعِ.

- **رد المحتار:**

(قَوْلُهُ: وَأَفْضَلُ صُفُوفِهَا آخِرُهَا إِلَخْ) كَذَا فِي «الْقُنْيَةِ»، وَبَحَثَ فِيهِ فِي «الْحِلْبَةِ» بِإِطْلَاقِ مَا فِي «صَحِيحِ مُسْلِمٍ» عَنْهُ ﷺ: «خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا»، وَبِأَنَّ إِظْهَارَ التَّوَاضُعِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى التَّأَخُّرِ. اهـ. أَقُولُ: قَدْ يُقَالُ: إِنَّ الْحَدِيثَ مَخْصُوصٌ بِالصَّلَاةِ الْمُطْلَقَةِ؛ لِأَنَّهَا الْمُتَبَادِرَةُ، وَلِقَوْلِهِ ﷺ: «مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ غُفِرَ لَهُ»، رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالْحَاكِمُ وَقَالَ: صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ. وَلِهَذَا قَالَ فِي «الْمُحِيطِ»: وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُصَفَّ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ، حَتَّى لَوْ كَانُوا سَبْعَةً يَتَقَدَّمُ أَحَدُهُمْ لِلْإِمَامَةِ، وَيَقِفُ وَرَاءَهُ ثَلَاثَةٌ ثُمَّ اثْنَانِ ثُمَّ وَاحِدٌ. اهـ. فَلَوْ كَانَ الصَّفُّ الْأَوَّلُ أَفْضَلَ فِي الْجِنَازَةِ أَيْضًا لَكَانَ الْأَفْضَلُ جَعْلَهُمْ صَفًّا وَاحِدًا، وَلَكُرِهَ قِيَامُ الْوَاحِدِ وَحْدَهُ كَمَا كُرِهَ فِي غَيْرِهَا، هَذَا مَا ظَهَرَ لِي. (باب صلاة الجنازة)

- **مجمع الانہر:**

واعلم أن الأفضل أن تكون الصفوف ثلاثة؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: «من اصطف عليه ثلاثة صفوف من المسلمين غفر له»، وأفضلها في الجنازة الصف الأخير. (باب صلاة الجنائز)

- **درر الحکام شرح غرر الاحکام:**

وَأَفْضَلُ صُفُوفِهَا آخِرُهَا وَفِي غَيْرِهَا أَوَّلُهَا؛ إِظْهَارًا لِلتَّوَاضُعِ لِتَكُونَ شَفَاعَتُهُ أَدْعَى إِلَى الْقَبُولِ، كَذَا فِي «شَرْحِ الْمَنْظُومَةِ لِابْنِ الشِّحْنَةِ». (باب الجنائز)

- **حلبی صغیر:**

ويستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف حتى لو كانوا سبعة يتقدم أحدهم للإمامة ويقف وراءه ثلاثة ووراءهم اثنان ثم واحد، وأفضل صفوف الجنازة آخرها بخلاف سائر الصلوات.

(فصل في الجنائز)

- **تبیین الحقائق:**

(قَوْلُهُ: إنَّ خَيْرَ صُفُوفِ الرِّجَالِ) أَيْ أَفْضَلَ صُفُوفِ الرِّجَالِ فِي صَلَاةِ الْجِنَازَةِ آخِرُهَا وَفِي غَيْرِهَا أَوَّلُهَا؛ إظْهَارًا لِلتَّوَاضُعِ لِتَكُونَ شَفَاعَتُهُ أَدْعَى إلَى الْقَبُولِ.

- **فتاویٰ بزازیہ:**

خير صفوف الرجال فيها آخرها وفي سائر الصلوات أولها؛ لأن القيام في الآخر أقرب إلى التواضع فيكون أدعى إلى الإجابة.

**مبین الرحمٰن**
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
4 صفر المظفّر 1442ھ/ 22 ستمبر 2020

## مقالہ نمبر 3:

# شبِ جمعہ کو
# روحوں کے گھروں میں آنے کا خود ساختہ نظریہ

## فہرست:

- شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا خود ساختہ نظریہ۔
- شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کے نظریے کی تردید۔
- روح کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں آنے کی حقیقت۔
- دنیا میں روح کے آنے کا امکان اور اہم تنبیہ۔
- مذکورہ مسئلے میں ایصالِ ثواب کی نیت۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا خود ساختہ نظریہ:

بہت سے لوگ اس خود ساختہ نظریے کا شکار ہیں کہ جمعرات کے دن یا شبِ جمعہ کو فوت شدہ رشتہ داروں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور کھانے پینے کا مطالبہ کرتی ہیں، اس لیے ان کے مطالبے اور خواہش کو پورا کرنے کے لیے کھانے پینے کی چیزیں تیار کرکے تقسیم کرنی چاہییں تاکہ ان کی بھوک اور پیاس بھی ختم ہو اور انھیں ثواب بھی پہنچے۔ اس پسِ منظر میں متعدد بے بنیاد باتیں عوام میں رائج ہیں۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''اَغلاطُ العَوام'' میں اس منگھڑت نظریے کو یوں ذکر فرماتے ہیں کہ:

''عوام کا عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مُردوں کی روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے، اگر کچھ ثواب ملے گا تو خیر ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہیں۔'' (اغلاط العوام صفحہ:16 ناشر: ادارۃ المعارف کراچی)

واضح رہے کہ جمعرات کے دن یا شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا نظریہ خود ساختہ اور غلط ہے، قرآن وسنت میں اس پر کوئی معتبر دلیل موجود نہیں، اس لیے یہ نظریہ رکھنا اور اس کی بنیاد پر کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کرنا ہرگز جائز نہیں۔

## شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کے نظریے کی تردید:

جمعرات کے دن یا شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا نظریہ غلط اور منگھڑت ہے، ذیل میں اس کی تردید کی وجوہات اور مختلف پہلو ملاحظہ فرمائیں:

1۔ جمعرات کے دن یا شبِ جمعہ کو فوت شدہ رشتہ داروں کی روحوں کا گھروں میں آنا قرآن وسنت سے ہرگز ثابت نہیں، اس حوالے سے کوئی بھی معتبر روایت موجود نہیں، اور جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ محدثین کرام کے نزدیک معتبر نہیں، اور نہ ہی وہ اس قابل ہیں کہ ان کی بنیاد پر کوئی عقیدہ اور نظریہ قائم کیا جاسکے یا کسی عمل

کو اپنایا جاسکے یا اس کو رواج دیا جاسکے۔ اس لیے یہ نظریہ کسی بھی طور درست نہیں۔

2۔ اس نظریے کی تردید کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ جمعرات کے دن یا شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا علم یا تو مشاہدے سے ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھیں، یا پھر وحی سے ہو سکتا ہے، چوں کہ قرآن و سنت سے اس کا کوئی معتبر ثبوت نہیں، اس لیے وحی سے تو روحوں کا گھروں میں آنا ثابت نہیں۔ جہاں تک مشاہدے کی بات ہے تو لوگوں کو اس کا مشاہدہ بھی نہیں ہوتا، اس لیے مشاہدے سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا، تو جب وحی اور مشاہدے دونوں ہی سے اس کا ثبوت نہیں تو پھر کس بنیاد پر شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا دعویٰ درست قرار دیا جاسکتا ہے!

3۔ اس نظریے کی تردید کا تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اگر وہ روح نیک ہے تو اسے دنیا میں آنے اور کھانا پینا مانگنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیوں کہ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہوتی ہے، اسے دنیوی کھانے پینے کی کیا ضرورت! اور اگر وہ روح بُری ہے تو کیا فرشتے اسے دنیا میں آنے دیں گے؟ وہ تو عذاب میں مبتلا ہو گی، وہ دنیا میں کیسے آسکتی ہے!

4۔ اس نظریے کی تردید کا چوتھا اہم پہلو یہ ہے کہ موت کے بعد روحوں کا گھروں میں آنا اُن احادیث کے بھی خلاف ہے جن میں موت کے بعد روحوں کا جنت یا جہنم کے مقامات میں ہونا بیان کیا گیا ہے۔

5۔ اس نظریے کی تردید کا پانچواں اہم پہلو یہ ہے کہ اگر روحیں گھروں میں آتی ہیں اور بھوک اور پیاس کی وجہ سے کھانے پینے کا مطالبہ کرتی ہیں اور اس مطالبہ کی بنیاد پر لوگ کھانا پینا تقسیم کر دیتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ہمارے گمان کے مطابق بھوک اور پیاس تو میت یعنی روح کو لگی تھی اور کھایا پیا کسی اور نے، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو کھانے پینے کا مطالبہ کر رہا ہے اس کو تو کچھ نہ دیا جائے اور دوسروں کو دے دیا جائے! اس پہلو سے بھی اس نظریے کا خود ساختہ اور غلط ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

## روح کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں آنے کی حقیقت:

بعض لوگوں سے جب مذکورہ تفصیل کے مطابق یہ بات بیان کی جائے کہ شبِ جمعہ کو دنیا میں روحوں کے آنے کا نظریہ غلط ہے، تو وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو روحیں آسکتی ہیں، اس لیے شبِ جمعہ کو بھی روحیں گھروں میں اللہ کے حکم سے آجاتی ہیں۔ اس بات کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ موت کے بعد کسی بھی میت کی روح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر دنیا میں نہیں آسکتی، یعنی اگر اللہ کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے روح کو اجازت دے تبھی اس کا دنیا میں آنا ممکن ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کا علم ہمیں نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی روح کو دنیا میں آنے کی اجازت دیتا بھی ہے یا نہیں، اور اگر اجازت دیتا ہے تو کس روح کو کب دنیا میں آنے کی اجازت دیتا ہے، ان باتوں کا ہمیں علم نہیں ہو سکتا، اس لیے محض اپنے خیالات اور قیاسات کی بنیاد پر کوئی نظریہ قائم کرنا درست نہیں۔ اس بنیاد پر چند باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے:

1۔ پہلی بات یہ کہ جب روح کے دنیا میں آنے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ ہے تو روح کے دنیا میں آنے کو ایک عمومی ضابطہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ہر روح کے ہر شبِ جمعہ کو دنیا میں آنے کا نظریہ بنالیا جائے، بلکہ عام ضابطہ یہی ہے کہ روحیں دنیا میں نہیں آتیں، یعنی انھیں اللہ کی طرف سے دنیا میں آنے کا حکم نہیں ہوتا، جیسا کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ موت کے بعد روحیں جنت یا جہنم کے مقامات میں ہوتی ہیں۔ اس سے اس نظریے کی واضح تردید ہو جاتی ہے کہ ہر روح ہر شبِ جمعہ کو دنیا میں آتی ہے۔

2۔ دوسری بات یہ کہ اگر اللہ کبھی کسی روح کو دنیا میں آنے کی اجازت دے تو ہمیں یہ معلوم ہونا بھی مشکل ہے کہ کس روح کو اللہ تعالیٰ نے آنے کی اجازت دی ہے۔

3۔ تیسری بات یہ کہ کبھی کسی حکمت کے تحت کسی روح کو دنیا میں آنے کی اجازت مل جائے تو اس کے وقت کے بارے میں بھی ہمیں علم نہیں ہو سکتا۔

4۔ چوتھی بات یہ کہ اگر اللہ کبھی کسی روح کو اپنی حکمت کے تحت دنیا میں آنے کی اجازت دے دے تو اس کے

بارے میں یہ معلوم ہونا بھی مشکل ہے کہ کس مقصد کے لیے اس کو اجازت ملی ہے۔ اس لیے اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ وہ شبِ جمعہ کو کھانے پینے یا ثواب طلب کرنے کے لیے آئے گی، ظاہر ہے کہ اس کا تو ہمیں علم نہیں ہو سکتا۔

گویا کہ اگر روح کے دنیا میں آنے کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ منسلک کر دیا جائے تو اس میں بھی نہ تو ہر ایک روح کے آنے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی روح کی تعیین معلوم ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کا دن اور وقت معلوم ہو سکتا ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی روح کو آنے کی اجازت عنایت فرمادے تو اس کا آنا ممکن ہے، لیکن اس کی بنیاد پر ہر شبِ جمعہ کو ہر رشتہ دار کی روح کے دنیا میں آنے کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ یہ دعویٰ کسی بھی طور ثابت نہیں ہو سکتا۔

## دنیا میں روح کے آنے کا امکان اور اہم تنبیہ:

مذکورہ تفصیل سے متعلق یہ اہم نکتہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ ساری بحث محض اس امکان کے پسِ منظر میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کبھی کسی حکمت کے تحت کسی روح کو دنیا میں آنے کی اجازت دے تو اس کا آنا ممکن ہے، پھر اس امکان کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بحث میں متعدد احتمالات قائم کر کے اس کو ایک عمومی ضابطہ بنانے کی تردید کی گئی۔ البتہ امکان سے متعلق یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ کسی بات کے ممکن ہونے سے اس کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے الگ سے کسی ثبوت کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کسی روح کا دنیا میں آنا ممکن تو ہے لیکن کوئی روح دنیا میں آئی یا آتی ہے تو اس کے لیے ثبوت کی ضرورت پڑے گی۔ جب اس کے واقع ہونے کے لیے بھی ثبوت اور دلیل ہی کی ضرورت پڑے گی تو اس بنیاد پر بلا دلیل شبِ جمعہ کو روحوں کے دنیا میں آنے کا نظریہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے! اس لیے عام ضابطہ یہی ہے کہ روحیں موت کے بعد دنیا میں نہیں آتیں البتہ اللہ کے حکم سے کسی روح کو آنے کی اجازت مل جائے تو یہ ممکن ہے، لیکن محض اس بنیاد پر اپنی طرف سے خود ساختہ دعوے نہیں کیے جا سکتے۔

## مذکورہ مسئلے میں ایصالِ ثواب کی نیت:

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جمعرات کے دن یا شبِ جمعہ کو روحوں کے گھروں میں آنے کا نظریہ غلط اور منگھڑت ہے۔ اس پسِ منظر میں بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ شبِ جمعہ کو کھانا پینا تقسیم کرنے میں ہماری نیت اور مقصود میت کی روح کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ اس بات کے تفصیلی جواب کے لیے درج ذیل تفصیل سمجھنے کی ضرورت ہے:

واضح رہے کہ شریعت کی نظر میں ایصالِ ثواب کے لیے نہ تو کوئی عمل خاص ہے، نہ کوئی چیز خاص ہے، نہ کوئی دن خاص ہے اور نہ ہی کوئی مہینہ خاص ہے، بلکہ سال بھر میں کسی بھی دن کسی بھی نیک عمل کا ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، اس لیے:

1۔ ایصالِ ثواب کے لیے دن یا مہینہ خاص کرکے اسے لازم سمجھنا یا اس کا خصوصی اہتمام کرنا بدعت کے زمرے میں آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کے نام پر رائج تیجہ، سوئم، ہفتم، جمعرات، جمعہ، چالیسواں، چہلم، برسی؛ سب کے سب بدعت اور گناہ ہیں۔ اسی طرح ایصالِ ثواب کے لیے محرم، رجب یا کسی اور مہینے کو خاص کرنا بھی بدعت اور ناجائز ہے۔ گویا کہ ایصالِ ثواب کے لیے شبِ جمعہ خاص کرنا بدعت ہے۔

2۔ ایصالِ ثواب کے لیے کوئی چیز یا عمل خاص کرکے اسے لازم سمجھنا یا رسم بنا کر اس کا خصوصی اہتمام کرنا بھی بدعت کے زمرے میں آتا ہے، اس لیے ایصالِ ثواب میں بکرا ذبح کرنے، چولے پکانے، خیرات کرنے، دیگیں چڑھانے، کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کرنے اور ان جیسے دیگر امور کو لازم سمجھنا اور ان کو رسم بنا کر خصوصی اہمیت دینا بھی بدعت اور ناجائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر میت کی روح کو ثواب پہنچانا ہی مقصود ہے تو ثواب پہنچانے کے تو بہت سے طریقے ہیں کہ کسی بھی نیکی کا ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے صرف کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کرنے کو کیوں ضروری سمجھا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بھی بدعت ہے۔

3۔ ایک ضمنی پہلو یہ بھی ہے کہ آجکل ایصالِ ثواب میں کھانے پینے کی چیزیں اس لیے بھی تقسیم کی جاتی ہیں تاکہ

نام و نمود ہو اور لوگوں کی ملامت سے بچا جاسکے، ورنہ تو لوگ کہیں گے کہ والد صاحب فوت ہو گئے اور ایک دیگ چاول بھی خیرات نہ کیا، یہ کیسی اولاد ہے!! ظاہر ہے کہ اس نیت سے ایصالِ ثواب کرنا ہی ناجائز ہے۔

## ایصالِ ثواب کی وسعت اور آسانی:

ایصالِ ثواب ہر قسم کی مالی اور بدنی عبادت کا کیا جاسکتا ہے، اس میں بڑی وسعت اور سہولت ہے، جیسے: ذِکر کرلیا، تسبیحات پڑھ لیے، درود شریف پڑھ لیا، استغفار کرلیا، تلاوت کرلی، اس میں بھی مکمل قرآن کریم ختم کرنا ضروری نہیں بلکہ جتنا سہولت سے ہو سکے تلاوت کرکے ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، نفل نماز پڑھ لی، حج کرلیا، عمرہ کرلیا، صدقہ دے دیا، درخت لگالیا، مدرسہ، مسجد، ہسپتال یا کنواں تعمیر کرلیا، مسجد میں بوقتِ ضرورت قرآن کریم رکھ دیے، طالب علم کو دینی کتب دے دی، مقروض کا قرض ادا کر دیا، ضرورت مند کی مدد کر دی، مدارس میں تعاون کر دیا، دینی کتاب تصنیف کر دی، الغرض ہر نیکی کا ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کو شریعت نے بہت ہی آسان رکھا ہے کہ نہ تو اس میں مال ضروری ہے، نہ قرضہ لینا، نہ بوجھ سہنا، نہ مشقت جھیلنا اور نہ پریشان ہونا، بلکہ نہایت ہی سہولت سے ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔ باقی یہ ساری تنگیاں تو ہم نے اپنی طرف سے بنا رکھی ہیں۔

## ایصالِ ثواب کی قبولیت کے لیے دو اہم اصول:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کی قبولیت کے لیے دو بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

- ایصالِ ثواب اخلاص کے ساتھ ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے، اس میں ریاکاری اور نام و نمود کا جذبہ نہ ہو۔
- ایصالِ ثواب شریعت کی تعلیمات کے مطابق کیا جائے، اس کے لیے خود ساختہ طریقے ایجاد نہ کیے جائیں۔

ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی گئی تو وہ ایصالِ ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت نہیں پاسکتا، جس کے نتیجے میں نہ تو اس عمل کرنے والے کو ثواب مل سکتا ہے اور نہ ہی یہ کسی دوسرے کو بھیجا جاسکتا ہے،

بلکہ ایسا کرنے والا گناہ گار ٹھہرتا ہے۔

## ایصالِ ثواب کے نام پر بدعات کا ارتکاب کیوں؟

جب ایصالِ ثواب سے مقصود دوسروں کو ثواب پہنچانا ہے تو پھر اس کے لیے خود ساختہ اور غیر شرعی طریقے کیوں اختیار کیے جاتے ہیں؟؟ بدعات اور رسومات کا ارتکاب کیوں کیا جاتا ہے؟؟ حالاں کہ یہ تو واضح سی بات ہے کہ ایصالِ ثواب میں ثواب تبھی پہنچ سکتا ہے جب وہ اخلاص کے ساتھ شریعت کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ کیا اللہ کو ناراض کرکے ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے؟؟ جب ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر ایصالِ ثواب کے لیے شریعت کی تعلیمات کو مد نظر کیوں نہیں رکھا جاتا؟؟ گویا کہ مقصود ایصالِ ثواب نہ ہوا بلکہ نام ونمود ہوا، ورنہ تو جس کا مقصود ایصالِ ثواب ہو وہ تو بدعات ورسومات کا کبھی ارتکاب نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نام نمود کے جذبے سے یا غیر شرعی طریقے سے ایصالِ ثواب کرنے والا اپنے فوت شدہ مرحومین کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا!

## ایصالِ ثواب کے نام پر مروّجہ بدعات کے نقصانات:

آجکل ایصالِ ثواب کے نام پر جو بدعات ورسومات جاری ہیں ان کے نقصانات بہت زیادہ ہیں جیسے:

- شریعت کی خلاف ورزی۔
- بدعات ورسومات کا ارتکاب۔
- بدعات ورسومات کو قوت پہنچانا۔
- مال کا ضیاع۔
- گناہ کا ارتکاب۔
- اللہ تعالیٰ کی ناراضگی۔
- ایصالِ ثواب کا بے فائدہ ہونا کہ اس میں دوسروں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ وغیرہ

**فائدہ:** ایصالِ ثواب سے متعلق تفصیلی احکام کے لیے بندہ کے سلسلہ اصلاح اغلاط کا سلسلہ نمبر 172: ’’ایصالِ ثواب شریعت کے مطابق کیجیے!‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

## فتاویٰ جات

1۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں کہ:

’’مُردوں کی روح کے دنیا میں آنے کا خیال غلط ہے، کیوں کہ جو نیک ہیں وہ تو دنیا میں آنا نہیں چاہتے اور جو بد ہیں انھیں اجازت نہیں مل سکتی۔‘‘ (اغلاط العوام صفحہ: 13 ناشر: ادارۃ المعارف کراچی)

2۔ دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کا فتویٰ:

’’جمعرات کی شب یا دن کو روحوں کا اپنے گھر آنا یا چکر لگانا بے اصل اور من گھڑت عقیدہ ہے، کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی اس پر کوئی شرعی دلیل موجود ہے، نیز مذکورہ عقیدہ کا بطلان عقل سے بھی سمجھ میں آتا ہے کیوں کہ میت اگر جہنمی ہے اور عذاب میں گرفتار ہے، تو اس کی روح کا عذاب سے چھوٹ کر آنا کیوں کر ممکن ہے؟ اور فرشتے اس کو کیوں چھوڑ سکتے ہیں؟ اور اگر وہ جنتی ہے تو دنیا کی فانی ومادی چیزوں کی تلاش میں وہ کیوں آئے گی؟ فقط واللہ اعلم۔‘‘ (فتویٰ نمبر: 144008200643، تاریخِ اجرا: 02-05-2019)

3۔ فتاویٰ حقانیہ میں اسی سے متعلق ایک جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’موت کے بعد روح کا گھر یا دنیا میں واپس آنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، اور نہ ہی عقل اس کی تائید کرتی ہے، بلکہ موت کے بعد روح کا جنت یا دوزخ میں ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے، اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا خلافِ شرع ہے، عوام الناس کو اس غلط عقیدے سے منع کرنا چاہیے۔ (1/ 208)

4۔ فتاویٰ محمودیہ میں اسی سے متعلق ایک تفصیلی جواب تحریر فرماتے ہیں:

’’انتقال کے بعد ارواح کا دنیا میں مکان پر آنا یا نہ آنا، نہ تو ان مسائلِ اعتقادیہ میں سے ہے جن پر ایمان لانا فرض ہو، اور نہ ہی مسائلِ فقہیہ جزئیہ میں سے ہے کہ جس کو حل کیے بغیر عمل ممکن نہ ہو، اس لیے اس الجھن

میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ مُردوں کی ارواح کا مکان پر آنا نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ہے، جن احادیث کا حوالہ آپ نے دیا ہے انھیں اصحابِ صحاح نے اختیار نہیں کیا ہے، اور وہ اس پایہ کی نہیں کہ اس سے کسی ضروری مسئلہ کا اثبات کیا جاسکے۔ اصولی بات وہی ہے جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے "اشرف الجواب" ص: 119 میں تحریر فرمائی ہے کہ مردہ اگر مُنْعَم علیہم ہے تو اسے یہاں آکر لپٹتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے، اور اگر معذَّب ہے تو فرشتگانِ عذاب کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں۔ باقی اگر اللہ جلّ شانہ کسی روح کو اجازت دے دیں تو کوئی وجہ رکاوٹ کی بھی نہیں۔

میت کے انتقال کے بعد اپنے گھر والوں اور متعلقین سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ متعلقین سے امیدوار رہتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ امید اور تعلق ہی لوگوں کو تمثُّل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ روح دروازہ پر کھڑی ہے، کھانا مانگتی ہے اور ضروریات طلب کرتی ہے، یہ حقیقت نہیں ہوتی، بلکہ تمثل ہوتا ہے، کیوں کہ ارواح کو اُس عالم میں دنیاوی ضرورت کی نہ تو حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ چیزیں ان کے لیے وہاں مفید ہو سکتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے طور پر جو چیزیں میت کی روح کو بخشی جاتی ہیں وہ بھی اس اصلی صورت میں نہیں بلکہ اخروی نعمتوں کی صورت میں متشکل ہو کر پیش ہوتی ہے۔" (1/ 606،607)

فتاویٰ محمودیہ میں اس مسئلے کی مزید تفصیل بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

5۔ فتاویٰ رشیدیہ میں اس حوالے سے ایک جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ارواحِ مؤمنین کا شبِ جمعہ وغیرہ کو اپنے گھر میں آنا کہیں ثابت نہیں ہوا۔ یہ روایات واہیہ ہیں، اس پر عقیدہ کرنا ہرگز نہیں چاہیے۔" (کتاب الجنائز صفحہ: 281)

ایک اور جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"مردوں کی روحیں شبِ جمعہ میں اپنے اپنے گھر نہیں آتیں، روایت غلط ہے۔"

(کتاب الجنائز صفحہ: 282)

## خلاصہ:

زیرِ بحث تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ شبِ جمعہ کو یا جمعرات کے دن فوت شدہ رشتہ داروں کی روحوں کا گھروں میں آنا ایک منگھڑت اور غلط نظریہ ہے، قرآن وسنت میں اس پر کوئی معتبر دلیل موجود نہیں، اس لیے یہ خودساختہ نظریہ رکھنا اور اس کی بنیاد پر کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کرنا ہرگز جائز نہیں۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
11 صفر المظفّر 1442ھ/ 29 ستمبر 2020

مقالہ نمبر4:

# نمازِ جنازہ
## میں ثنا اور دُرود شریف پڑھنے کا حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## نمازِ جنازہ میں ثنا اور دُرود شریف پڑھنے کا حکم:

نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھنا، جبکہ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ در حقیقت میت کے لیے دعا ہے، اور دعا کی زیادہ قبولیت کے پیشِ نظر اس سے پہلے پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جاتی ہے، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے، جبکہ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

## نمازِ جنازہ میں ثنا اور درود شریف پڑھنے کا ثبوت:

1۔ حضرت ابو سعید مقبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نمازِ جنازہ کس طرح ادا فرماتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں تکبیر کہتا ہوں، پھر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، پھر حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجتا ہوں، پھر میت کے لیے دعا کرتا ہوں۔

- موطأ امام مالک میں ہے:

٥٣٩- عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ كَيْفَ تُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا لَعَمْرُ اللهِ أُخْبِرُكَ: أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللهَ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ أَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

2۔ حضرت مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نمازِ جنازہ ادا فرماتے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے، پھر درود شریف پڑھتے، پھر میت کے لیے دعا فرماتے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ:

١١٤٩٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ إِذَا صَلَّى

عَلَى مَيِّتٍ يَبْدَأُ بِحَمْدِ اللهِ وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَحْيَائِنَا وَأَمْوَاتِنَا، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاجْعَلْ قُلُوبَنَا عَلَى قُلُوبِ خِيَارِنَا.

3۔ امام شعبی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و ثنا ہے، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف ہے، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا ہے، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام ہے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ:

١١٤٩٣- عَنْ أَشْعَثَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: فِي التَّكْبِيرَةِ الأُولَى يُبْدَأُ بِحَمْدِ اللهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، وَالثَّانِيَةُ صَلَاةٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَالثَّالِثَةُ دُعَاءٌ لِلْمَيِّتِ، وَالرَّابِعَةُ لِلتَّسْلِيمِ.

## نمازِ جنازہ میں ثنا اور درود شریف کے الفاظ سے متعلق وضاحت:

احادیث سے نمازِ جنازہ میں ثنا اور درود شریف پڑھنے کا تو ثبوت ملتا ہے البتہ ان سے متعلق مخصوص الفاظ ثابت نہیں، اس لیے ثنا اور درود شریف کے معاملے میں کسی مخصوص الفاظ کو سنت یا لازم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس اصولی بات کی روشنی میں مزید تفصیل یہ ہے کہ:

1۔ نمازِ جنازہ میں ثنا اور درود شریف کے لیے کوئی بھی مناسب عربی الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان سے سنت ادا ہو جائے گی۔ البتہ احادیث مبارکہ سے منقول عام حمد و ثنا اور درود شریف کے الفاظ کی رعایت بہتر ہے۔

2۔ نمازِ جنازہ میں نماز والی ثنا پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی شخص اس میں "وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ" کا بھی اضافہ کر لیتا ہے تو یہ بھی درست ہے۔

3۔ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں قراءت کے طور پر سورتِ فاتحہ سمیت کسی بھی سورت کو پڑھنا درست نہیں، البتہ چوں کہ نمازِ جنازہ میں حمد و ثنا بھی ہے اور سورتِ فاتحہ بھی حمد و ثنا پر مشتمل ہے اس لیے اگر کوئی شخص پہلی تکبیر کے بعد سورتِ فاتحہ کو حمد و ثنا کی نیت سے پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور جن صحابہ کرام سے نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ پڑھنا ثابت ہے تو احناف کے نزدیک اس سے یہی مراد ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے بندہ کے سلسلہ اصلاحِ اغلاط کا سلسلہ نمبر 120: نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کا حکم۔

4۔ نمازِ جنازہ میں نماز میں پڑھے جانے والے درود ابراہیمی کے پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی شخص اس میں ”كَمَا صَلَّيْتَ“ کے بعد ”وَسَلَّمْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ وَتَرَحَّمْتَ“ کا بھی اضافہ کرلیتا ہے جیسا کہ مشہور ہے تو یہ بھی درست ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں ”وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ“ کے الفاظ کا ثبوت:

بعض حضرات کو یہ شبہ ہے کہ نمازِ جنازہ کی حمد وثنا میں ”وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ“ کے الفاظ ثابت نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو نمازِ جنازہ کی حمد وثنا کے کوئی مخصوص الفاظ ہی ثابت نہیں، اس لیے ”وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ“ کے ثابت نہ ہونے پر کوئی شبہ ہی درست نہیں۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے طور پر ”وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ“ کے الفاظ بعض احادیث سے ثابت ہیں جو اگرچہ نمازِ جنازہ سے متعلق نہیں لیکن حمد وثنا کے طور پر تو ثابت ہیں اور یہی بات کافی ہے، اس لیے اگر کوئی نمازِ جنازہ کی حمد وثنا میں ان الفاظ کا اضافہ کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ذیل میں ان الفاظ کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں:

- مصنف ابن ابی شیبہ:

٢٩٧٨٧- حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ: حدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِذَا أَتَيْتَ سُلْطَانًا مَهِيبًا تَخَافُ أَنْ يَسْطُوَ عَلَيْك فَقُلْ: اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَعَزُّ مِنْ خَلْقِهِ جَمِيعًا، اللهُ أَعَزُّ مِمَّا أَخَافُ وَأَحْذَرُ، أَعُوذُ بِاللهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ أَنْ يَقَعْنَ عَلَى الأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ، مِنْ شَرِّ عَبْدِكَ فُلانٍ وَجُنُودِهِ وَأَتْبَاعِهِ وَأَشْيَاعِهِ مِنَ الْجِنِّ وَالإِنْسِ، اللَّهُمَّ كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّهِمْ، جَلَّ ثَنَاؤُك وَعَزَّ جَارُك وَتَبَارَكَ اسْمُك، وَلا إِلَهَ غَيْرُك، ثَلاثَ مَرَّاتٍ.

- مجمع الزوائد:

١٧١٣٥- عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا تَخَوَّفَ أَحَدُكُمُ السُّلْطَانَ فَلْيَقُلِ: اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ -يَعْنِي الَّذِي

يُرِيدُ- وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ، وَأَتْبَاعِهِمْ أَنْ يُفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ، عَزَّ جَارُكَ، وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ».

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَفِيهِ جُنَادَةُ بْنُ سَلْمٍ، وَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَضَعَّفَهُ غَيْرُهُ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ رِجَالُ الصَّحِيحِ.

١٧١٣٦- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِذَا أَتَيْتَ سُلْطَانًا مَهِيبًا تَخَافُ أَنْ يَسْطُوَ بِكَ فَقُلِ: اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِهِ جَمِيعًا، اللهُ أَعَزُّ مِمَّا أَخَافُ وَأَحْذَرُ، وَأَعُوذُ بِاللهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمُمْسِكِ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ أَنْ يَقَعْنَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، مِنْ شَرِّ عَبْدِكَ فُلَانٍ، وَجُنُودِهِ، وَأَتْبَاعِهِ، وَأَشْيَاعِهِ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ، إِلَهِي كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّهِمْ، جَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَعَزَّ جَارُكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، ثَلَاثُ مَرَّاتٍ.

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ.

- الادب المفرد:

٧٠٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَارِثَ بْنَ سُوَيْدٍ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ: إِذَا كَانَ عَلَى أَحَدِكُمْ إِمَامٌ يَخَافُ تَغَطْرُسَهُ أَوْ ظُلْمَهُ، فَلْيَقُلِ: اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، كُنْ لِي جَارًا مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ وَأَحْزَابِهِ مِنْ خَلَائِقِكَ، أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ يَطْغَى، عَزَّ جَارُكَ، وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ.

- عمل اليوم الليلة لابن السنی:

٣٤٥- أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ شَبَّةَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ الْحَارِثِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْبَيْلَمَانِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا خِفْتَ سُلْطَانًا أَوْ غَيْرَهُ فَقُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، عَزَّ جَارُكَ، وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ».

# فقہی عبارات

- البحر الرائق:

وَسُنَنُهَا التَّحْمِيدُ وَالثَّنَاءُ وَالدُّعَاءُ. (كتاب الجنائز)

وَالْبدَاءَةُ بِالثَّنَاءِ ثُمَّ الصَّلَاةِ سُنَّةُ الدُّعَاءِ؛ لِأَنَّهُ أَرْجَى لِلْقَبُولِ. ولم يُعَيِّنِ الْمُصَنِّفُ الثَّنَاءَ، وروى الْحَسَنُ أَنَّهُ دُعَاءُ الِاسْتِفْتَاحِ. وَالْمُرَادُ بِالصَّلَاةِ الصَّلَاةُ عليه في التَّشَهُّدِ، وهو الْأَوْلَى كما في «فَتْحِ الْقَدِيرِ»، ولم يذكر الْقِرَاءَةَ؛ لِأَنَّهَا لم تَثْبُتْ عن رسول اللهِ ﷺ. وفي «الْمُحِيطِ» وَ«التَّجْنِيسِ»: وَلَوْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ فيها بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ قَرَأَهَا بِنِيَّةِ الْقِرَاءَةِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهَا مَحَلُّ الدُّعَاءِ دُونَ الْقِرَاءَةِ. (كتاب الجنائز)

- الدر المختار:

(وَهِيَ أَرْبَعُ تَكْبِيرَاتٍ) كُلُّ تَكْبِيرَةٍ قَائِمَةٌ مَقَامَ رَكْعَةٍ (يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الْأُولَى فَقَطْ) وَقَالَ أَئِمَّةُ بَلْخٍ: فِي كُلِّهَا (وَيُثْنِي بَعْدَهَا) وَهُوَ «سُبْحَانَك اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِك» (وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ) كَمَا فِي التَّشَهُّدِ (بَعْدَ الثَّانِيَةِ)؛ لِأَنَّ تَقْدِيمَهَا سُنَّةُ الدُّعَاءِ (وَيَدْعُو بَعْدَ الثَّالِثَةِ) بِأُمُورِ الْآخِرَةِ، وَالْمَأْثُورُ أَوْلَى .....

- رد المحتار:

(قَوْلُهُ: وَهُوَ سُبْحَانَك اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِك) كَذَا فَسَّرَ بِهِ الثَّنَاءَ فِي «شَرْحِ دُرَرِ الْبِحَارِ» وَغَيْرِهِ، وَقَالَ فِي «الْعِنَايَةِ»: إنَّهُ مُرَادُ صَاحِبِ «الْهِدَايَةِ»؛ لِأَنَّهُ الْمَعْهُودُ مِنَ الثَّنَاءِ، وَذَكَرَ فِي «النَّهْرِ» أَنَّ هَذَا رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنِ الْإِمَامِ. وَالَّذِي فِي «الْمَبْسُوطِ» عَنْ صَاحِبِ الرِّوَايَةِ أَنَّهُ يَحْمَدُ اللهَ. اهـ. أَقُولُ: مُقْتَضَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ حُصُولُ السُّنَّةِ بِأَيِّ صِيغَةٍ مِنْ صِيَغِ الْحَمْدِ، فَيَشْمَلُ الثَّنَاءَ الْمَذْكُورَ؛ لِاشْتِمَالِهِ عَلَى الْحَمْدِ. (قَوْلُهُ: كَمَا فِي التَّشَهُّدِ) أَيِ الْمُرَادُ الصَّلَاةُ الْإِبْرَاهِيمِيَّة الَّتِي يَأْتِي بِهَا الْمُصَلِّي فِي قَعْدَةِ التَّشَهُّدِ. (قَوْلُهُ: لِأَنَّ تَقْدِيمَهَا) أَيْ تَقْدِيمَ الصَّلَاةِ عَلَى الدُّعَاءِ سُنَّةٌ كَمَا أَنَّ تَقْدِيمَ الثَّنَاءِ عَلَيْهِمَا سُنَّةٌ أَيْضًا. (باب صلاة الجنازة)

- حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی:

قوله: (وهو سبحانك اللّٰهُمَّ وبحمدك الخ) قال في «سكب الأنهر»: والأولى ترك «وجل ثناؤك» إلا في صلاة الجنازة اهـ. (باب أحكام الجنائز)

## فائدہ: نمازِ جنازہ میں کوئی مخصوص الفاظ پڑھنا لازم نہیں:

کئی حضرات صحابہ کرام نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ نمازِ جنازہ میں کوئی مخصوص الفاظ لازم قرار نہیں دیے گئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں ہمارے ذمّے کوئی مخصوص قرأت اور الفاظ لازم قرار نہیں دیے گئے۔

- المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے:

٩٦٠٤- عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ أَوْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَمْ يُوَقَّتْ لَنَا عَلَى الْجَنَازَةِ قَوْلٌ وَلَا قِرَاءَةٌ، كَبِّرْ مَا كَبَّرَ الْإِمَامُ، أَكْثِرْ مِنْ أَطْيَبِ الْكَلَامِ.

2۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ میں ہمارے ذمّے مخصوص الفاظ کو پڑھنا لازم قرار نہیں دیا۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٤٨٥- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: مَا بَاحَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَا أَبُو بَكْرٍ وَلَا عُمَرُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ بِشَيْءٍ.

3۔ حضرت شعیب رحمہ اللہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں انھوں نے تیس صحابہ کرام سے روایت کی ہے کہ نمازِ جنازہ میں کوئی مخصوص الفاظ پڑھنا لازم نہیں ہے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٤٨٦- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُمْ لَمْ يَقُومُوا عَلَى شَيْءٍ فِي أَمْرِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ.

ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں اللہ کی حمد وثنا، درود شریف اور میت کے لیے دعا سے متعلق مخصوص الفاظ واجب اور لازم نہیں کہ جن کی پاسداری ایسی ضروری ہو کہ ان کے بغیر نمازِ جنازہ ہی ادا نہ ہو، بلکہ

ان امور کی ادائیگی کے لیے کوئی بھی مناسب عربی الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں البتہ جو الفاظ احادیث سے ثابت ہوں ان کی رعایت مسنون، بہتر اور اہم ہے۔

## ثنا:

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ

اے اللہ! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تیری بزرگی بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

## درود شریف:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسے کہ تو نے رحمت نازل فرمائی ابرہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر، بے شک تو تعریف کا مستحق، بڑی بزرگی والا ہے۔

اے اللہ! برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسے برکت نازل فرمائی تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر، بے شک تو تعریف کا مستحق، بڑی بزرگی والا ہے۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

19 صفر المظفر 1442ھ/ 7 اکتوبر 2020

مقالہ نمبر 5:

# نافرمان اولاد کو
# مال و جائیداد سے عاق کرنے کی شرعی حیثیت

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## نافرمان اولاد کو مال وجائیداد سے عاق کرنے کی رسم:

آجکل یہ صورتحال بڑی کثرت سے دیکھنے کو ملتی ہے کہ والد اپنی نافرمان اولاد کو مال وجائیداد سے عاق کر دیتا ہے حتی کہ اخبارات میں بھی یہ عاق نامہ شائع کر دیتا ہے کہ: ”میں اپنے فلاں نافرمان بیٹے یا بیٹی کو نافرمانی کی وجہ سے اپنے مال وجائیداد سے عاق کر رہا ہوں، اس لیے میرے مال وجائیداد اور میراث میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو کوئی حصہ ملے گا۔“ پھر اس عاق کردہ اولاد کو میراث میں سے حصہ نہیں دیا جاتا اور نہ ہی اس کو میراث کے مطالبے کا حق دیا جاتا ہے۔

ذیل میں اس عاق نامہ کی شرعی حیثیت ذکر کی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ شریعت کی نگاہوں میں یہ عاق کرنا معتبر اور درست ہے بھی یا نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

## نافرمان اولاد کو مال وجائیداد سے عاق کرنے کی شرعی حیثیت:

واضح رہے کہ والد کا اپنی نافرمان اولاد کو مال وجائیداد سے عاق اور محروم کرنے کی دو صورتیں ہیں:

### والد کا اپنی نافرمان اولاد کو اپنی موت کے بعد میراث سے محروم کرنا:

والد کا اپنی نافرمان اولاد کو مال وجائیداد سے عاق اور محروم کرنے کی ایک عام اور رائج صورت یہ ہے کہ والد اپنی اولاد کو اپنے مال وجائیداد سے اس طور پر عاق کر دیتا ہے کہ میری موت کے بعد میری فلاں اولاد کو میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا، تو واضح رہے کہ والد کا اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنی موت کے بعد میراث سے محروم کرنا شرعی اعتبار سے ہرگز معتبر اور درست نہیں، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1۔ شریعت نے میراث میں وارثوں کے حصے متعین کر دیے ہیں، جو کہ ان کو ضرور ملیں گے، چاہے کوئی وارث نیک ہو یا بد، فرماں بردار ہو یا نافرمان، اور چاہے مورِث اس پر راضی ہو یا نہ ہو؛ بہر صورت یہ وارثوں کا حق ہے۔ گویا کہ یہ معاملہ مورِث یعنی فوت ہونے والے شخص کے اختیار اور رضا کے بغیر جاری اور لاگو ہوتا ہے، اس لیے کسی بھی مورِث کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی وارث کو اپنی طرف سے میراث سے محروم کر دے یا اس کے

مقررہ حصے میں کمی بیشی کردے۔اِلّا یہ کہ شریعت خود ہی کسی وارث کی محرومی کا فیصلہ کردے تو وہ ایک الگ معاملہ ہے۔

2۔ قرآن وسنت اور شرعی دلائل کی روشنی میں حضرات فقہائے امت نے موانعِ اِرث یعنی وارث کو میراث سے محروم کردینے والے اسباب ووجوہات ذکر فرمادی ہیں، ان اسباب میں سے والدین کی نافرمانی کو کسی بھی فقیہ اور مجتہد نے میراث سے محروم کردینے والے اسباب میں سے ذکر نہیں فرمایا، اس لیے اولاد کے لیے والدین کی نافرمانی یقیناً بڑا گناہ ہے، لیکن اس بنا پر ایسی نافرمان اولاد میراث سے محروم نہیں ہوسکتی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ والد اگر کسی بیٹے یا بیٹی کو میراث میں سے عاق کرتے ہوئے یہ وصیت کردے کہ اس کو میری موت کے بعد حصہ نہیں ملے گا تو یہ ہرگز معتبر نہیں، نہ تو یہ وصیت جائز ہے اور نہ ہی اس بنیاد پر کوئی وارث محروم ہوسکتا ہے، بلکہ اس بیٹے یا بیٹی کو بہر صورت میراث میں سے اس کا مقررہ حصہ ضرور ملے گا، اس لیے اس محروم کردہ بیٹے یا بیٹی کو اپنے حصے کے مطالبے کا حق حاصل ہے۔ اور دیگر وارثوں کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اس نافرمان بیٹے یا بیٹی کو اس کے حصے سے محروم کردے، کیوں کہ جب والد کی وصیّت شریعت کی نظر میں معتبر نہیں تو اولاد اور ورثوں کے لیے بھی اس ناجائز وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں۔

## والد کا اپنی زندگی میں اپنی نافرمان اولاد کو مال وجائیداد سے محروم کرنا:

والد کا اپنی نافرمان اولاد کو اپنے مال وجائیداد سے عاق اور محروم کرنے کی دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ والد اپنی زندگی اور صحت میں اپنی جائیداد وارثوں میں تقسیم کرکے یا کسی کارِ خیر میں صَرف کرکے اس میں سے اپنے نافرمان بیٹے یا بیٹی کو حصہ نہ دیتے ہوئے بالکل محروم کردیتا ہے۔ واضح رہے کہ شریعت میں اس طرح کرنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ والد کو اپنی زندگی میں اپنے مال وجائیداد میں جائز تصرُّف کا مکمل حق حاصل ہوتا ہے، اس لیے اگر والد اپنی نافرمان اولاد کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے محروم کرتے ہوئے سارا مال کسی کارِ خیر میں صَرف کردیتا ہے یا دیگر وارثوں میں تقسیم کردیتا ہے تو یہ جائز ہے، یہ ایک جائز طریقہ ہے نافرمان

اولاد کو مال و جائیداد سے محروم کرنے کا، خصوصًا جب یہ غالب گمان ہو کہ ایسی نافرمان اولاد اس مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں صَرف کرے گی تو ایسی صورت میں تو یہی بہتر ہے کہ ایسی اولاد کو کچھ بھی حصہ نہ دیا جائے، تاکہ گناہ کے کاموں میں ان کے ساتھ تعاون کی صورت نہ بنے۔

**مسئلہ:**

ایسی صورت میں جب والد اپنی زندگی میں اپنا سارا مال اپنی اولاد میں تقسیم کردے اور اپنی نافرمان اولاد کو محروم کردے اور موت کے وقت والد کی ملکیت میں کچھ بھی مال نہ ہو تو ظاہر ہے کہ جب میراث کا مال موجود ہی نہیں تو اس محروم کی گئی اولاد کو بھی کچھ نہیں ملے گا، اسی طرح ان کو دیگر وارثوں کے مال میں سے اپنے حصے کے مطالبے کا حق بھی حاصل نہیں کیوں کہ دیگر وارثوں کے پاس جو مال ہے وہ تو والد نے اپنی زندگی اور صحت ہی میں ان کی ملکیت اور قبضے میں دے دیا تھا، اس لیے اب وہ والد کی میراث نہیں بلکہ وارثوں کا اپنا مال ہے۔

## اولاد کو مال و جائیداد سے محروم کرنے سے متعلق ایک توجہ طلب پہلو:

والدین اپنے نافرمان بیٹے یا بیٹی کو نافرمانی کے نتیجے میں مال و جائیداد سے محروم کردیتے ہیں، یہ محروم کردینا بسا اوقات اس نافرمان اولاد کو مزید باغی بنادیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اولاد مزید ضدی ہوجاتی ہے جس کے بعد ان کی اصلاح کی امید ختم ہوتی چلی جاتی ہے، یا وہ غربت کے مارے در بدر پھر کر ٹھوکریں کھا رہے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی حرکات والدین کے لیے مزید بدنامی کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہلِ علم کی رائے کے مطابق بہتر یہ ہے کہ نافرمان اولاد کو بالکلیہ محروم نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان کے بنیادی اخراجات اور ضروریات کے بقدر کچھ حصہ دے دینا چاہیے، جس کے نتیجے میں عین ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوجائے اور اس کی اصلاح کی امید پیدا ہوسکے۔ اس لیے والدین کو یہ غور کرنا چاہیے کہ نافرمان اولاد کو عاق کرکے مال و جائیداد سے بالکلیہ محروم کردینا مفید ہے یا نقصان دہ؟؟

یہاں یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ بسا اوقات اولاد کی نافرمانی کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ

والدین نے ان کی درست تربیت نہیں کی ہوتی یا والدین کسی ظلم و ناانصافی کے مرتکب ہوتے ہیں، ایسے میں سارا قصور وار اولاد ہی کو کیوں ٹھہرایا جاسکتا ہے؟؟ یہ بہت ہی اہم پہلو ہے جس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہو۔

زیرِ بحث مسئلہ کی تفصیل کے لیے امداد الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ اور احسن الفتاویٰ سمیت درج ذیل فتاویٰ و فقہی عبارات دیکھیے۔

## فتاویٰ جات و فقہی عبارات

1۔ دار الافتاء دار العلوم دیوبند:

"بیٹے کو عاق کرنے سے وہ عاق نہیں ہوتا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ اپنے شرعی حصہ کا حق دار ہوگا۔ آج آپ کا بیٹا نافرمان ہے کل کو وہ سُدھر بھی سکتا ہے اور نیک بھی بن سکتا ہے۔ آپ محروم کردیں گے تو وہ آپ کے مرنے کے بعد ویران ٹھوکریں کھاتا پھرے گا، اس میں آپ کی بدنامی ہوگی۔ اس لیے آپ اس کو اس کا حصہ دے کر علیحدہ کردیجیے اور سب بچوں کو ان کے حصے دے کر انھیں مالک بنادیجیے۔ آپ دنیا میں بھی نیک نام رہیں گے اور آخرت میں بھی، آپ کی روح کو راحت ملے گی۔" (جواب نمبر: 37249)

2۔ دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن:

"واضح رہے کہ عاق کرنے کے معنی نافرمان قرار دینا ہے، جس کی میراث سے محرومی کے حوالے سے شرعًا کوئی حیثیت نہیں ہے، یعنی اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنی جائیداد سے عاق کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی شرعًا اس کی کوئی حیثیت ہے، پس والد کا اپنی اولاد میں سے کسی کو عاق کرنے سے وہ عاق (نافرمان ہونے کی وجہ سے) میراث سے محروم نہیں ہوگا، بلکہ وہ بدستور اس کی اولاد میں شامل رہے گا اور والد کی موت کے بعد اس کے ترکہ میں اپنے شرعی حصہ کا حق دار ہوگا، البتہ اگر واقعتًا وہ والد کا نافرمان ہو تو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، جس پر عند اللہ اس کا مواخذہ ہوگا، بشرطیکہ والد کی زندگی میں ہی معافی تلافی نہ کی ہو۔

- **مشکاۃ المصابیح میں ہے:**

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَطَعَ مِيرَاثَ وَارِثِهِ قَطَعَ اللهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»، رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ. (266/1، باب الوصایا، ط: قدیمی)

- **تکملۃ رد المحتار لمحمد علاء الدین میں ہے:**

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط ... إلخ (كتاب الدعوى باب التحالف فصل في دفع الدعاوى، ج:۷، ص:۵۰۵، ط: سعيد)

- **امداد الفتاوی میں ہے:**

الجواب: عاق دو معنی میں مستعمل ہے: ایک معنی شرعی، دوسرے عرفی، شرعی معنی تو یہ ہیں کہ اولاد والدین کی نافرمانی کرے، سو اس معنی کی تحقیق میں تو کسی کے کرنے نہ کرنے کو دخل نہیں، جو والدین کی بے حکمی کرے وہ عند اللہ عاق ہوگا، اور اس کا اثر فقط یہ ہے کہ خدا کے نزدیک عاصی و مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوگا، باقی حرمانِ میراث اس پر مرتب نہیں ہوتا۔ دوسرے معنی عرفی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو بوجہ ناراضی بے حق و محروم الارث کردے، سو یہ امر شرعاً بے اصل ہے، اس سے اس کا حقِ اِرث باطل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ وراثت ملکِ اضطراری وحقِ شرعی ہے، بلا قصدِ مورث ووارث اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ قال الله تعالى: «يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ» الآية. اور لام استحقاق کے لیے ہے، پس جب اللہ تعالیٰ نے حقِ وراثت مقرر فرمادیا اس کو کون باطل کر سکتا ہے؟ اور نیز قصّہ حضرت بریرہؓ کا شاہد اس کا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اُن کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس کے موالی نے شرط کی کہ ولاء ہماری رہے گی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "ان کی شرط باطل ہے، اور ولاء معتق کی ہے۔ کما روى النسائي: عن عائشة: أنها أرادت أن تشتري بريرة للعتق، وأنهم اشترطوا ولاءها، فذكرت ذلك لرسول الله ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: «اشتريها وأعتقيها؛ فإنّ الولاء لمن أعتق»، الحديث. جب ولاء کہ حقِ ضعیف ہے، چنانچہ حسبِ فرمودۂ پاک: «الولاء لحمة كلحمة النسب»، الحدیث. ضعف اس کا کافِ تشبیہ سے ظاہر ہے، وہ نفی کرنے سے نفی

نہیں ہوتا، پس حقِ نسب کہ اقویٰ ہے کیوں کر نفی کو قبول کر سکتا ہے؟ پھر جب واضح ہوا کہ اس معنی کا شرعًا کچھ ثبوت نہیں تو اس سے رجوع کی کچھ حاجت وضرورت نہیں، بعد مرگِ پدر اس کا وارث ہو گا۔ البتہ محروم الارث کرنے کا طریق یہ ممکن ہے کہ اپنی حالتِ حیات وصحت میں اپنا کل اثاثہ کسی کو ہبہ یا مصارفِ خیر میں وقف کر کے اپنی ملک سے خارج کردے، اس وقت اس کا بیٹا کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا، كما في العالمگيرية: لو كان ولده فاسقًا وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه، كذا في الخلاصة. ج:٣، ص:٦٥. (امداد الفتاوی، کتاب الفرائض، جلد چہارم، ص:365، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔" (فتویٰ نمبر:144201200464، تاریخِ اجرا:29-08-2020)

3۔ دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن:

"عاق نامے کی شرعی کوئی حیثیت نہیں اس سے کوئی شخص میراث سے محروم نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس سے ڈرانا دھمکانا بھی بے فائدہ ہے۔" (فتویٰ نمبر:143101200651، تاریخِ اجرا:01-01-2010)

4۔ تبیین الحقائق:

وَهَذَا الْعِلْمُ مُخْتَصٌّ بِحَالَةِ الْمَمَاتِ وَغَيْرُهُ بِالْحَيَاةِ أو بِاعْتِبَارِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ فَإِنَّهَا جَبْرِيَّةٌ أو اخْتِيَارِيَّةٌ، فَالْأَوَّلُ الْمِيرَاثُ، وَالثَّانِي غَيْرُهُ من أَسْبَابِ الْمِلْكِ. (كتاب الفرائض)

5۔ رد المحتار:

الملك: ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، كما في «التلويح». (كتاب البيوع)

6۔ فتاویٰ ہندیہ:

وَلَوْ وَهَبَ رَجُلٌ شيئا لِأَوْلَادِهِ في الصِّحَّةِ وَأَرَادَ تَفْضِيلَ الْبَعْضِ على الْبَعْضِ في ذلك لَا رِوَايَةَ لِهَذَا في الْأَصْلِ عن أَصْحَابِنَا، وَرُوِيَ عن أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا كان التَّفْضِيلُ لِزِيَادَةِ فَضْلٍ له في الدِّينِ، وَإِنْ كَانَا سَوَاءً يُكْرَهُ، وَرَوَى الْمُعَلَّى عن أبي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا لم يَقْصِدْ بِهِ الْإِضْرَارَ، وَإِنْ قَصَدَ بِهِ الْإِضْرَارَ سَوَّى بَيْنَهُمْ: يُعْطِي

الِابْنَةَ مِثْلَ ما يُعْطِي لِلِابْنِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، هَكَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ»، وهو الْمُخْتَارُ كَذَا في «الظَّهِيرِيَّةِ». رَجُلٌ وَهَبَ في صِحَّتِهِ كُلَّ الْمَالِ لِلْوَلَدِ جَازَ في الْقَضَاءِ، وَيَكُونُ آثِمًا فِيمَا صَنَعَ كَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ»، وَإِنْ كان في وَلَدِهِ فَاسِقٌ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعْطِيَهُ أَكْثَرَ من قُوتِهِ كَيْ لَا يَصِيرَ مُعِينًا له في الْمَعْصِيَةِ كَذَا في «خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ»، وَلَوْ كان وَلَدُهُ فَاسِقًا وَأَرَادَ أَنْ يَصْرِفَ مَالَهُ إلَى وُجُوهِ الْخَيْرِ وَيُحْرِمَهُ عن الْمِيرَاثِ هذا خَيْرٌ من تَرْكِهِ كَذَا في «الْخُلَاصَةِ»، وَلَوْ كان الْوَلَدُ مُشْتَغِلًا بِالْعِلْمِ لَا بِالْكَسْبِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُفَضِّلَهُ على غَيْرِهِ كَذَا في «الْمُلْتَقَطِ».
(كِتَابُ الْهِبَةِ، الْبَابُ السَّادِسُ في الْهِبَةِ لِلصَّغِيرِ)

7۔ *البحر الرائق*:
وفي «الْخُلَاصَةِ»: الْمُخْتَارُ التَّسْوِيَةُ بين الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى في الْهِبَةِ، وَلَوْ كان وَلَدُهُ فَاسِقًا فَأَرَادَ أَنْ يَصْرِفَ مَالَهُ إلَى وُجُوهِ الْخَيْرِ وَيَحْرِمَهُ عن الْمِيرَاثِ هذا خَيْرٌ من تَرْكِهِ؛ لِأَنَّ فيه إعَانَةً على الْمَعْصِيَةِ، وَلَوْ كان وَلَدُهُ فَاسِقًا لَا يعطى له أَكْثَرَ من قُوتِهِ. (كتاب الهبة)

## فائدہ:

*زندگی میں جائیداد کی تقسیم سے متعلق بندہ کے اسی سلسلہ اصلاحِ اَغلاط کا سلسلہ نمبر 16: ’’زندگی میں تقسیمِ جائیداد سے متعلق بنیادی احکام‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔*

**مبین الرحمٰن**

*فاضل جامعہ دار العلوم کراچی*

*محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی*

28 صفر المظفر 1442ھ/16 اکتوبر 2020

**مقالہ نمبر 6:**

# خریداری کے وکیل کے لیے نفع اور اُجرت لینے کا حکم

**فہرست:**


- خریداری کے وکیل کے لیے نفع یا اجُرت لینے کا تفصیلی حکم۔
- وکیل کم قیمت پر چیز خرید لے تو نفع اپنے لیے رکھنے کا حکم۔
- وکیل کو وہ چیز مفت میں مل جائے تو اس کے نفع کا حکم۔
- وکیل کے لیے اجرت لینے کی ایک استثنائی صورت۔
- وکیل کی جانب سے خرید وفروخت کا حیلہ اپنانے کا حکم۔



مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

دورِ حاضر میں یہ صورتحال بڑی کثرت سے پیش آتی ہے کہ ایک شخص جب کسی دوسرے شخص کو کسی چیز کی خریداری کا وکیل (یعنی وکیل بِالشِّراء) بناتا ہے تو وکیل اپنی مہارت یا تعلقات وغیرہ کی بنیاد پر وہ چیز سستے داموں خرید لیتا ہے، پھر وکیل وہ بچت اپنے لیے رکھ لیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو میری مہارت اور ذاتی تعلقات کا نتیجہ ہے، اس لیے یہ میرا حق بنتا ہے۔ جیسے: زید نے خالد کو موبائل کی خریداری کا وکیل بنایا کہ میرے لیے مارکیٹ سے فلاں موبائل خرید کر لائیں جس کی قیمت پچیس ہزار روپے ہے، خالد مارکیٹ چلا جاتا ہے اور اپنی مہارت یا تعلقات وغیرہ کی بنیاد پر وہی موبائل بائیس ہزار روپے کا خرید لیتا ہے، ایسی صورت میں خالد وہ تین ہزار روپے اپنے لیے رکھ لیتا ہے جس کی زید کو خبر بھی نہیں ہوتی اور موبائل زید کے حوالے کر دیتا ہے، کیا خالد کے لیے یہ تین ہزار روپے لینا جائز ہے؟

ذیل میں تفصیلی طور پر اس کا شرعی حکم ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ اس کے متعدد پہلو بھی واضح ہو سکیں اور اس حوالے سے غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو سکے۔

## خریداری کے وکیل کے لیے نفع یا اُجرت لینے کا تفصیلی حکم:

جب ایک شخص کسی دوسرے شخص کو کسی جائز چیز کی خریداری کا وکیل بناتا ہے تو اس کے لیے نفع یا اُجرت لینے اور نہ لینے کی متعدد صورتیں ہوا کرتی ہیں:

1۔ وکیل اپنے مُوَکِّل سے اس خریداری کے عمل پر اُجرت کا مطالبہ کرتا ہے جو کہ ایک جائز مطالبہ ہے اور پھر باہمی طور پر وکیل کے لیے اجرت طے ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں وکیل کے لیے اس جائز کام کی اُجرت لینا جائز ہے۔

2۔ وکیل اپنے مُوَکِّل سے اس خریداری کے عمل پر اُجرت کا مطالبہ نہیں کرتا، البتہ مُوَکِّل اس کو اپنی طرف سے اُجرت یا انعام کے طور پر کچھ رقم دے دیتا ہے تو وکیل کے لیے یہ بھی جائز ہے۔

3۔ وکیل اپنے مُوَکِّل سے اس خریداری کے عمل پر اُجرت کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ہی وہ مُوَکِّل سے اجرت کے

طور پر کچھ وصول کرتا ہے تو ایسی صورت میں یہ معاملہ وکیل کی طرف سے ایک تبرُّع اور احسان شمار ہوگا، یعنی کہ وکیل یہ خریداری کا عمل مفت میں سرانجام دے رہا ہے۔

4۔ وکیل اپنے مُوَکِّل سے اس خریداری کے عمل پر نہ تو اُجرت کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ ہی تبرُّع اور احسان کا معاملہ کرتا ہے کہ مفت میں اس کے لیے خریداری کرے، بلکہ مُوَکِّل کی اجازت کے بغیر خریداری سے بچ جانے والی رقم اپنے پاس رکھ لیتا ہے، تو یہ صورت جائز نہیں، بلکہ مُوَکِّل کو یہ بچ جانے والی رقم واپس کرنی ضروری ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ وکیل یا تو موکل سے اپنی اس محنت پر اُجرت کا مطالبہ کرے یا محض تبرع اور احسان کرتے ہوئے مفت میں یہ خریداری کا عمل سرانجام دے، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، البتہ ان دونوں صورتوں کے علاوہ یہ صورت جائز نہیں کہ وکیل موکل کی اجازت کے بغیر اپنے لیے اجرت یا نفع رکھ لے۔

## وکیل کم قیمت پر چیز خرید لے تو نفع اپنے لیے رکھنے کا حکم:

ماقبل کی تفصیل سے یہ مسئلہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر وکیل اپنی مہارت یا تعلقات وغیرہ کی وجہ سے وہ چیز سستے داموں خرید لیتا ہے تو وکیل کے لیے اصل قیمت سے یہ بچ جانے والی رقم موکل کی اجازت کے بغیر اپنے لیے رکھنا جائز نہیں۔ کیوں کہ وکیل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ یا تو موکل سے اپنی اس محنت پر اُجرت کا مطالبہ کرے یا محض تبرع اور احسان کرتے ہوئے مفت میں یہ خریداری کا عمل سرانجام دے، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، البتہ ان دونوں صورتوں کے علاوہ یہ صورت جائز نہیں کہ وکیل موکل کی اجازت کے بغیر چوری چھپے اپنے لیے اجرت یا نفع رکھ لے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بائع یعنی دکان دار جب اس چیز کی قیمت میں کمی کرتا ہے تو چوں کہ خریداری موکل کے لیے کی جا رہی ہے اس لیے وہ کمی در حقیقت موکل ہی کے حصے میں آتی ہے اور وہی اس کے فائدے کا حقیقی

حق دار ہے، اس لیے وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ موکل کی اجازت کے بغیر یہ بچت اپنے لیے رکھ لے۔

## وکیل کو وہ چیز مفت میں مل جائے تو اس کے نفع کا حکم:

اگر وکیل اپنی مہارت یا تعلقات وغیرہ کی وجہ سے وہ چیز بغیر قیمت کے مفت میں خرید لیتا ہے کہ دکان دار اپنی خوشی سے اس سے قیمت وصول ہی نہ کرے تو ایسی صورت میں وکیل اپنے موکل سے اس چیز کی قیمت وصول کر سکتا ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں یہ معاملہ خرید وفروخت کی بجائے ہدیہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور قیمت کی بالکلیہ معافی وکیل کے حصے میں آتی ہے اور وہی اس کے فائدے کا حق دار ہے، اس لیے اگرچہ وکیل کو وہ چیز مفت میں ملی ہے لیکن وہ موکل سے اس کی قیمت وصول کر سکتا ہے۔

## وکیل کے لیے اجرت لینے کی ایک استثنائی صورت:

ایک صورت یہ بھی رائج ہے کہ ایک شخص اجرت اور کمیشن لے کر دوسروں کے لیے کام کرتا ہے اور لوگوں میں وہ اس عنوان سے مشہور بھی ہے، گویا کہ اس کا اپنی وکالت پر اجرت لینا لوگوں میں معروف بھی ہے تو ایسی صورت میں اگر وکیل اور موکل کی باہمی طور پر کوئی اجرت طے نہ بھی ہو تب بھی وکیل کو اجرت کے مطالبے کا حق حاصل ہے، اور ایسی صورت میں وکیل کو اجرتِ مثل ملے گی یعنی عرف کے اعتبار سے اس کام کی جتنی اجرت بنتی ہو اس کا وہ مستحق ہے۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام)

## وکیل کی جانب سے خرید وفروخت کا حیلہ اپنانے کا حکم:

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر دکان دار وکیل کو کم قیمت پر وہ چیز فروخت کرے تو وکیل کے لیے اپنے موکل کی اجازت کے بغیر وہ بچت اپنے لیے رکھنا جائز نہیں۔ اس حوالے سے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو فروخت کرنے والا تصور کر لیتے ہیں کہ ہم بازار سے یہ چیز خرید کر موکل پر فروخت کر دیں گے اور اس میں اپنا نفع رکھ لیں گے۔ واضح رہے کہ یہ جائز نہیں کیوں کہ وکیل اور موکل کے

مابین وکالت ہی کا معاملہ طے ہوا ہے کہ وکیل بازار سے موکل کے لیے وہ چیز خرید کر لائے گا، اس لیے اسی کا اعتبار ہوگا، وکیل اور موکل کے مابین خرید وفروخت کا معاملہ طے نہیں ہوا کہ موکل وکیل ہی سے وہ چیز خریدے گا، تو اگر واقعتًا ان دونوں کے مابین خرید وفروخت کا معاملہ طے ہوا ہے کہ موکل وکیل ہی سے وہ چیز خریدے گا تو ایسی صورت میں یہ معاملہ وکالت کا نہیں بلکہ خرید وفروخت کا ہے، اس لیے ایسی صورت میں اگر وہ شخص بازار سے چیز خرید کر دوسرے پر فروخت کر دے اور اس میں اپنا نفع رکھ لے تو یہ جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ باہمی طور پر جو بھی معاملہ طے ہوا ہو تو اسی کی رعایت کرنی ضروری ہے۔

## فتویٰ و فقہی عبارات

1۔ الفتاوى الهندية:

وَإِنْ حَطَّ الْبَائِعُ عن الْوَكِيلِ بَعْضَ الثَّمَنِ فإنه يَحُطُّهُ عن الْمُوَكِّلِ، وَلَوْ حَطَّ الْبَائِعُ جَمِيعَ الثَّمَنِ لَا يَظْهَرُ ذلك في حَقِّ الْمُوَكِّلِ حتى كان لِلْوَكِيلِ أَنْ يَرْجِعَ على الْمُوَكِّلِ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ، وَلَوْ وَهَبَ الْبَائِعُ بَعْضَ الثَّمَنِ عن الْوَكِيلِ يَظْهَرُ ذلك في حَقِّ الْمُوَكِّلِ حتى لم يَكُنْ لِلْوَكِيلِ أَنْ يَرْجِعَ على الْمُوَكِّلِ بِذَلِكَ الْقَدْرِ، وَلَوْ وَهَبَ كُلَّ الثَّمَنِ لَا يَظْهَرُ ذلك في حَقِّ الْمُوَكِّلِ، وَلَوْ أَبْرَأَهُ الْبَائِعُ عن جَمِيعِ الثَّمَنِ فَالْجَوَابُ فيه كَالْجَوَابِ في هِبَةِ جَمِيعِ الثَّمَنِ، كَذَا في «الْمُحِيطِ». وَلَوْ وَهَبَ الْبَائِعُ منه خَمْسَمِائَةٍ ثُمَّ وَهَبَ الْخَمْسَمِائَةِ الْبَاقِيَةَ لَا يَرْجِعُ الْوَكِيلُ على الْمُوَكِّلِ بِالْخَمْسِمِائَةِ الْأُولَى وَيَرْجِعُ بِالْخَمْسِمِائَةِ الثَّانِيَةِ؛ لِأَنَّهُ هِبَةٌ، وَلَوْ وَهَبَ تِسْعَمِائَةٍ ثُمَّ وَهَبَ منه الْمِائَةَ الْبَاقِيَةَ فإنه لَا يَرْجِعُ على الْمُوَكِّلِ إلَّا بِمِائَةٍ، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أبي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى، كَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ»، وَاللهُ أَعْلَمُ.

(فَصْلٌ في التَّوْكِيلِ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِغَيْرِ عَيْنِهِ وَالِاخْتِلَافِ بين الْمُوَكِّلِ وَالْوَكِيلِ)

2۔ درر الحكام شرح مجلة الأحكام:

وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ مُبَيَّنَةٌ عَلَى مَا تَقَدَّمَ فِي الْبُيُوعِ مِنْ أَنَّ هِبَةَ بَعْضِ الثَّمَنِ حَطٌّ لَا هِبَةُ كُلِّهِ؛

لِأَنَّ الْحَطَّ يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْبَيْعِ، وَفِي حَطِّ الْبَعْضِ يَبْقَى الْبَيْعُ بِالْبَاقِي فَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى مُوَكِّلِهِ هُنَا، وَلَوْ جَعَلَ هِبَةَ الْكُلِّ حَطًّا لَصَارَ بَيْعًا بِلَا ثَمَنٍ فَيَفْسُدُ بِهِ الْبَيْعُ، فَلِذَلِكَ جُعِلَ هِبَةً مُبْتَدِئَةً لِلْوَكِيلِ، فَيَرْجِعُ عَلَى الْمُوَكِّلِ بِالثَّمَنِ لِلْمَعْقُودِ عَلَيْهِ كُلِّهِ، فَلَوْ وَهَبَهُ إِيَّاهُ بِدَفْعَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَانَ مَا قَبْلَ الْأَخِيرِ حَطًّا وَكَانَت الْهِبَةُ الْأَخِيرَةُ مُبْتَدَأَةً فَيَرْجِعُ عَلَى الْمُوَكِّلِ بِقَدْرِهَا فَقَطْ. «تَكْمِلَةُ رَدِّ الْمُحْتَارِ». (الْمَادَّةُ: ١٤٩٠)

3۔ دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو یہ کہتا ہے کہ آپ میرے لیے بازار سے فلاں چیز لے آؤ تو یہ توکیل (وکیل بنانے) کا معاملہ ہے، یعنی پہلے شخص نے دوسرے کو اپنا وکیل بالشِّراء بنایا ہے، اور وکالت جس طرح اجرت کے بدلے ہوتی ہے اسی طرح بطورِ تبرُّع بھی ہوتی ہے، اور بطورِ وکیل کوئی کام کرنے پر وکیل کو اجرت لینے کا حق اس وقت ہوتا ہے جب وکالت کے وقت صراحتًا اجرت کی شرط لگائی گئی ہو یا پھر یہ دوسرا آدمی (وکیل) معروف اجرت کے بدلے ہی کام کرنے میں مشہور ہو یعنی اس کا پیشہ ہی یہ ہو کہ وہ اجرت کے بدلہ کام کرکے دیتا ہو، لیکن اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو پھر وکیل کو مؤکل سے اجرت/کمیشن لینے کا حق نہیں ہے، لہٰذا سوال میں پوچھی گئی دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ چیز لانے والا آدمی اپنا کمیشن نہیں رکھ سکتا ہے، البتہ اگر یہ چیز لانے والا آدمی ابتدا ہی میں اپنی محنت اور وقت کے بدلہ میں موکل سے اجرت طے کرلے تو پھر طے شدہ اجرت یا کمیشن وصول کرنا جائز ہوگا، یا اس شخص کے متعلق مشہور ہو کہ وہ یہ چیز اجرت کے بدلے ہی لوگوں کو لاکر دیتا ہے (سپلائی کرتا ہے) تو متعینہ اجرت لینے کی اجازت ہوگی۔

- درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

(إذا شرطت الأجرة في الوكالة وأوفاها الوكيل استحق الأجرة، وإن لم تشترط ولم يكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة كان متبرعا، فليس له أن يطالب بالأجرة) يستحق في الإجارة الصحيحة الأجرة المسمى، وفي الفاسدة أجر المثل ... لكن إذا لم يشترط في الوكالة أجرة ولم

یكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة كان متبرعا، وليس له أن يطلب أجرة. أما إذا كان ممن يخدم بالأجرة يأخذ أجر المثل ولو لم تشترط له أجرة. (الكتاب الحادی عشر الوكالة، الباب الثالث، الفصل الاول، المادة: ١٤٦٧، ج: ٥٧٣٣، ط: دار الجيل) **فقط واللہ اعلم**۔(فتویٰ نمبر: 144001200049)

**مبین الرحمٰن**

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

3 ربیع الاوّل 1442ھ/21 اکتوبر 2020

**مقالہ نمبر 7:**

# میت کا چہرہ دیکھنے کی مروّجہ رسم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## میت کا چہرہ دیکھنے کی مروّجہ رسم کی شرعی حیثیت:

میت کا چہرہ دیکھنا چاہے نمازِ جنازہ سے پہلے ہو، اس کے بعد ہو یا قبر میں ہو اپنی ذات میں کوئی ناجائز کام نہیں ہے بلکہ جائز ہے، البتہ جب اس کے ساتھ بدعات ورسومات شامل ہوجائیں یا اس کی وجہ سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہونے لگے یا اس کو باقاعدہ ایک رسم بنالیا جائے تو پھر اس جائز کام سے بھی شریعت منع کردیتی ہے، ایسی صورت میں پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ گویا کہ اگر انفرادی طور پر لوگ میت کا چہرہ دیکھ لیں اور اس میں شرعی طور پر کسی خرابی کا ارتکاب نہ ہو تو اپنی ذات میں یہ ایک جائز عمل ہے، البتہ جب اس کو باقاعدہ رسم کی صورت دے دی جائے تو اس کی وجہ سے پھر متعدد خرابیاں جنم لیتی ہیں اور ان خرابیوں کی وجہ سے میت کے دیدار کی رسم ممنوع قرار پاتی ہے۔ ذیل میں اس کی مزید تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## میت کا چہرہ دیکھنے کی مروجہ رسم کی خرابیاں:

میت کا چہرہ دیکھنے کی رسم میں جو خرابیاں شامل ہوچکی ہیں ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

### پہلی خرابی:

شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ میت کو جلد از جلد دفنایا جائے اور اس کو دفنانے میں کسی بھی قسم کی بے جا تاخیر نہ کی جائے، یہی احادیث کا تقاضا ہے، اس لیے ہر وہ اضافی کام جس کی وجہ سے میت کی تدفین میں بے جا تاخیر لازم آرہی ہو وہ کام بھی ممنوع ٹھہرتا ہے، اس لیے اگر چہرہ دکھانے کی رسم کی وجہ سے بلاوجہ تاخیر ہورہی ہو جیسا کہ آجکل اس کا بخوبی مشاہدہ ہے تو ایسی صورت میں یہ رسم شریعت کی نظر ممنوع ٹھہرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آجکل جو نمازِ جنازہ کے بعد باقاعدہ چہرہ دکھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے واضح طور پر میت کو دفنانے میں تاخیر لازم آتی ہے تو شریعت کی تعلیمات کی رو سے یہ ممنوع ہے۔ خصوصًا اگر میت کوئی مشہور دینی یا دنیوی شخصیت ہو تو ان کا چہرہ دکھانے کی رسم میں بہت سا وقت صَرف ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی تدفین میں کافی تاخیر ایک واضح سی بات ہے، اس لیے یہ شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

افسوس کہ ایسے معاملات میں شریعت کی تعلیمات کی طرف بالکل ہی توجہ نہیں دی جاتی!

## فائدہ:

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ شریعت کی نگاہ میں میت کی نمازِ جنازہ میں شریک ہونے والوں کی کثرتِ تعداد بڑی برکت اور فضیلت کی حامل ہے، لیکن اس کے باوجود بھی شریعت نے محض تعداد بڑھانے کی خاطر نمازِ جنازہ میں تاخیر گوارہ نہیں کی ہے، چنانچہ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ نمازِ جمعہ کے انتظار میں جنازے کو رکھے رکھتے ہیں کہ زیادہ نمازی نماز پڑھیں گے، سو یہ بالکل جائز نہیں، جس قدر جلد ممکن ہو نماز اور دفن سے فراغت واجب ہے۔"

(اصلاحِ انقلابِ امت صفحہ 250، ناشر: البشریٰ)

تو جب اس اہم اور فضیلت والے کام کے لیے بھی تاخیر گوارہ نہیں کی گئی تو پھر چہرہ دکھانے جیسے غیر ضروری کام کی خاطر نمازِ جنازہ اور تدفین میں تاخیر کیسے جائز قرار دی جاسکتی ہے!!

## دوسری خرابی:

میت کا چہرہ دیکھنا کوئی شرعی حکم نہیں کہ جس کو سنت یا مستحب قرار دیا جاسکے، اس لیے اس کو باقاعدہ سنت، مستحب یا اجر و ثواب والا عمل سمجھنا بدعت ہے، اس لیے جو لوگ میت کا چہرہ دیکھنے کو سنت یا مستحب سمجھتے ہیں اور اسی بنیاد پر اس رسم کا اہتمام کرتے ہیں تو وہ بدعت میں مبتلا ہیں جس کو ترک کرنا واجب ہے۔

## تیسری خرابی:

میت کا چہرہ دیکھنا کوئی ضروری اور لازم عمل نہیں، اس لیے اس کو ضروری سمجھنا حتی کہ چہرہ نہ دکھانے کی وجہ سے دوسروں کو ملامت کرنا جائز بھی نہیں، آجکل بعض جگہوں میں اس کو ضروری اور لازم سمجھا جاتا ہے، یاد رہے کہ یہ صریح غلطی ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔

## چوتھی خرابی:

میت کا چہرہ دیکھنے کی رسم میں ایک خرابی یہ بھی پیش آجاتی ہے کہ بسا اوقات موت کی شدت یا دیگر اسباب کی وجہ سے چہرے میں کوئی نامناسب تبدیلی آچکی ہوتی ہے، جس کو دیکھنے کے بعد نا سمجھ لوگ میت سے بد گمان ہو جاتے ہیں یا اس عیب کو پھیلا کر میت کو بدنام کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، حالاں کہ یہ چیزیں چھپانے کی ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے متعدد اہلِ علم کے نزدیک اگر کوئی اور خرابی لازم نہ بھی آئے تب بھی نمازِ جنازہ کے بعد اور خصوصًا قبر میں میت کا چہرہ دیکھنا بہتر نہیں ہے، کیوں کہ جیسے جیسے میت پر وقت گزرتا جاتا ہے تو چہرے میں تغیُّر آنے کے امکانات بڑھتے جاتے ہیں۔

**خلاصہ:** مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ چہرہ دکھانے میں کسی بدعت یا غیر شرعی کام کا ارتکاب لازم نہ آئے تو یہ اپنی ذات میں جائز ہے، ورنہ تو اس سے بچنا ضروری ہے، خصوصًا جب اس کو رسم بنالیا جائے۔

## فتاویٰ جات

1۔ دار الافتاء دار العلوم دیوبند:

"اصل حکمِ شرعی یہ ہے کہ انتقال کے بعد جلد از جلد میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین کی جائے، بلا کسی خاص وجہ سے تاخیر کرنا درست نہیں ہے، تاہم نمازِ جنازہ سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا کہ جس کی بنا پر تدفین میں تاخیر لازم نہ آئے جائز ہے، لیکن نمازِ جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا بہتر نہیں ہے، بسا اوقات میت میں تغیر آجاتا ہے، جس میں ایک مسلمان کے عیب کے اِفشا کا خطرہ ہے۔ قال النبي ﷺ: «أسرعوا الجنازة فإن تك صالحةً فخير تقدمونها إليه، وإن تك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم». (سنن أبی داود: ١٥٧/١). وقال في «الهندية»: ويبادر إلى تجهيزه ولا يؤخر. (الفتاوى الهندية: ١٥٧/١). وعن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قبض إبراهيم بن النبي ﷺ، قال لهم النبي ﷺ: «لا تدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليه. (سنن ابن ماجه، باب النظر إلى الميت، ص: ١٠٦). سألتُ يوسف بن محمد عمن يرفع الستر عن وجه الميت ليراه، قال: لا بأس به. (الفتاوى التاتارخانية: ٧٨/٣،

رقم: ٣٧٥٨، زكريا). واللہ تعالیٰ اعلم۔" (جواب نمبر:57985)

2۔ دار الافتاء دار العلوم دیو بند:

"دفناتے وقت میت کا چہرہ دکھانا ضروری نہیں، اگر آپ کے یہاں دفناتے وقت میت کا چہرہ دکھانے کا رواج ہو تو اس کو ترک کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم" (جواب نمبر:20164)

3۔ دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن:

"میت کو غسل دینے اور تکفین وتدفین کے انتظام کے بعد نمازِ جنازہ میں تاخیر سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے، نیز نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد میت کو جلد دفن کرنے کا حکم بھی حدیث مبارک میں وارد ہے، لہٰذا نمازِ جنازہ کے بعد چہرہ دکھانا قلیل تاخیر کو مستلزم ہونے کی وجہ سے بہتر نہیں ہے، تاہم اس سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنے اور دکھانے میں کوئی حرج نہیں۔

- علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(قوله: ويسرع في جهازه)؛ لما رواه أبو داود عنه ﷺ: لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال: «ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت، فإذا مات فآذنوني حتى أصلي عليه، وعجلوا به؛ فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله». والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح الشريفة؛ فإنه يحتمل الإغماء. (٢/ ١٩٣)

**ترجمہ:** میت کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے اُس حدیث کی بنا پر جو ابو داود نے روایت کی ہے کہ جب آں حضور ﷺ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی عیادت کرکے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میرا خیال ہے کہ ان میں موت سرایت کر چکی ہے، جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے خبر کرنا تاکہ میں ان کی نماز پڑھاؤں، اور ان کی تجہیز وتکفین میں جلدی کرو، اس لیے کہ مسلمان کی نعش کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان روکا جائے۔" اور میت پر موت کا اثر ظاہر ہوتے ہی فوراً تدفین اس لیے واجب نہیں کی گئی کہ کہیں یہ بے ہوشی نہ ہو، یعنی جب موت کا اطمینان ہو جائے تو پھر تدفین میں جلدی لازم ہوگی۔

- حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ (1/ 450):

عن أنس بن مالك قال «لما قبض إبراهيم ابن النبي ﷺ قال لهم النبي ﷺ: «لا تدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليهخ فأتاه فانكب عليه وبكى».

قوله: (لا تدرجوه) من «الإدراج»، أي لا تدخلوه، والحديث يدل على أن من يريد النظر فلينظر إليه قبل الإدراج، فيؤخذ منه أن النظر بعد ذلك لا يحسن، ويحتمل أنه قال ذلك؛ لأن النظر بعده يحتاج إلى مؤنة الكشف.

**ترجمہ:** حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے صاحب زادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اسے کفن نہ پہنانا جب تک کہ میں اُسے نہ دیکھ لوں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور (اسے دیکھ کر) اس پر جھک کر رونے لگے۔

- اس روایت کے حاشیے میں علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اسے کفن مت پہنانا۔۔۔ الخ'' یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص میت کو دیکھنا چاہے اسے چاہیے کہ کفنانے سے پہلے اسے دیکھ لے، نیز اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ کفنانے کے بعد میت کو دیکھنا پسندیدہ نہیں ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے اس وجہ سے فرمایا کہ کفنانے کے بعد چہرہ دیکھنے میں میت کا کفن کھولنے کی ایک گونہ مشقت بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم''

(فتویٰ نمبر:144110200394)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

22ربیع الاوّل1442ھ/9نومبر2020

**مقالہ نمبر 8:**

# بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کا حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

آجکل مختلف ذرائعِ اِبلاغ کے ذریعے یہ بات بہت زیادہ عام کی جاری ہے کہ بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔اس مسئلے سے متعلق مختلف قسم کے دلائل بھی دیے جاتے ہیں، ذیل میں اس مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ اس کا صحیح حکم واضح ہو سکے۔

## بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کا حکم:

شادی کے بعد بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے درج ذیل باتوں کو سمجھنا ضروری ہے:

1۔ قرآن وسنت میں بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے سے متعلق نہ تو کوئی صریح حکم موجود ہے کہ اس کی بنا پر اسے واجب، سنت یا مستحب قرار دیا جاسکے، اور نہ ہی ممانعت کی کوئی دلیل موجود ہے کہ اس کی بنا پر اس کو حرام یا مکروہ قرار دیا جاسکے۔ اس لیے ان دونوں باتوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

2۔ البتہ بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے میں شرعی طور پر کوئی قباحت موجود نہیں اور نہ ہی یہ کسی شرعی دلیل کے خلاف ہے، کیوں کہ بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا محض شناخت کے لیے ہوتا ہے، جس سے یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے، اور ظاہر ہے کہ شناخت کے لیے ایسا کرنے میں شرعی اعتبار سے کوئی حرج نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی روشنی میں بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا ایک مباح اور جائز عمل ہے۔

## مذکورہ مسئلے سے متعلق چند شبہات کا ازالہ:

**شبہہ 1**: جو حضرات بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کو ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں وہ اس کی ممانعت کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآن کریم اور متعدد احادیث میں اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور اس عمل پر سنگین وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

**جواب 1:** واضح رہے کہ مذکورہ آیات اور احادیث سے بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کی ممانعت ثابت ہی نہیں ہوتی، بلکہ ان آیات اور احادیث کا اس مسئلے کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ اگر مذکورہ آیات اور احادیث سے بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کی ممانعت ثابت ہوتی تو امت کے حضرات مفسرین، محدثین کرام، فقہاء عظام اور اکابر امت اس کو ضرور ذکر فرماتے اور ان آیات اور احادیث سے ثابت ہونے والی ممانعت میں اس صورت کو بھی شامل فرماتے، حالاں کہ ایسا ہر گز ثابت نہیں۔ گویا کہ امت کے حضرات مفسرین، محدثین کرام اور فقہاء عظام سے بھی ان آیات اور احادیث کی ایسی تفسیر وتشریح پیش نہیں کی جاسکتی جس سے واضح طور پر بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہو۔

**جواب 2:** جن آیات واحادیث میں اپنے حقیقی والد کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرنے کی شدید مذمت آئی ہے اور اس سے متعلق شدید وعیدیں بیان ہوئی ہیں تو یاد رہے کہ ان تمام آیات اور احادیث مبارکہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اپنے والد کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی ایسی نسبت کرنا جس سے اس دوسرے شخص کا حقیقی اور نسبی باپ ہونا ظاہر ہو رہا ہو، تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے کیوں کہ اس سے نسب خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے متعدد خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور متعدد شرعی احکام متاثر ہو جاتے ہیں، اور انہی خرابیوں کے پیشِ نظر یہ جرم اس قدر سنگین ہے کہ اس سے متعلق شدید سے شدید وعیدیں بیان ہونی بھی چاہییں۔

جہاں تک بیوی کا شوہر کے نام کو اپنے نام کے ساتھ لگانے کا تعلق ہے تو اوّل تو اس سے ولدیت یا نسب کی تبدیلی مقصود ہی نہیں ہوتی کہ اس کی وجہ سے اپنے حقیقی والد کے علاوہ شوہر کی طرف اپنے نسب کی نسبت کی جاتی ہو۔ دوم یہ کہ اس کی وجہ سے وہ خرابیاں کسی صورت پیدا نہیں ہوتیں جو کہ اپنے حقیقی والد کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنے نسب کی نسبت کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ آجکل کا عرف ورواج بھی یہی ہے کہ عموماً لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ عورت کے نام کے بعد جو نام لگا ہے یہ اس کے شوہر ہی کا ہے۔ اس لیے بیوی کے نام کے ساتھ

شوہر کا نام لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو مسئلے کی مروّجہ عمومی صورتحال کا حکم ہے، البتہ جہاں بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے سے مقصود نسب کی تبدیلی ہو تو وہاں اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، اسی طرح جہاں شوہر کا نام لگانے سے نسب میں اشتباہ پیدا ہوتا ہو تو وہاں بھی اس سے بچنا چاہیے۔

**شبہ 2:** بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ قرآن وسنت سے شوہر کا نام ساتھ لگانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے ناجائز ہے۔

**جواب:** اس کا جواب ماقبل میں دیا جا چکا ہے کہ قرآن وسنت میں بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانے سے متعلق نہ تو کوئی صریح حکم موجود ہے کہ اس کی بنا پر اسے واجب، سنت یا مستحب قرار دیا جائے، اور نہ ہی ممانعت کی کوئی دلیل موجود ہے کہ اس کی بنا پر اس کو حرام یا مکروہ قرار دیا جائے۔ اس لیے قرآن وسنت سے محض کسی بات کے ثابت نہ ہونے سے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ ناجائز اس وقت قرار دیا جاسکتا ہے کہ جب وہ کسی شرعی دلیل کے خلاف ہو، جبکہ بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا کسی بھی شرعی دلیل کے خلاف نہیں، اس لیے یہ جائز ہے۔

## خلاصہ:

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا نہ تو کوئی واجب، سنت یا مستحب ہے، اور نہ ہی کوئی حرام یا مکروہ، بلکہ ایک جائز عمل ہے، جس میں کوئی حرج نہیں۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

10 ربیع الثانی 1442ھ/26 نومبر 2020

## مقالہ نمبر 9:

# دین سیکھنے میں شدتِ احتیاط کے چند پہلو

**فہرست:**

- دین سیکھنے میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت۔
- دین سیکھنے کے لیے کس کا انتخاب کیا جائے؟
- علم کونسا معتبر ہے؟
- سلف صالحین اور اکابرِ امت کو بُرا کہنے والا غیر معتبر ہے!
- دین صرف اہل السنۃ والجماعۃ ہی سے سیکھنا چاہیے!
- دین کی بات کرنے والے ہر اسکالر پر اعتماد نہ کیجیے!

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## دین سیکھنے میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت:

دین پر عمل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے سب سے بنیادی چیز دین سیکھنا ہے، دین سیکھے بغیر نہ تو دین پر عمل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اللہ کو راضی کیا جاسکتا ہے، اور دین سیکھنے کے لیے بھی سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ دین سیکھنے کے لیے مستند اور معتبر ذریعہ اختیار کیا جائے کیوں کہ اس کے بغیر صحیح دین تک رسائی ہر گز نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین سیکھنا انتہائی نازک معاملہ ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس میں حدّ درجہ احتیاط کی جائے کیوں کہ دین کے نام پر غلط، منگھڑت اور خود ساختہ باتیں سیکھنے کو دین ہر گز قرار نہیں دیا جاسکتا، اس سے نہ تو صحیح دین پر عمل ہو سکتا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو سکتی ہے اور نہ ہی آخرت کی کامیابی مل سکتی ہے۔ اس پر سوچنے کی اشد ضرورت ہے کیوں کہ جس طرح دین سیکھے بغیر اللہ کو راضی نہیں کیا جاسکتا اسی طرح غلط دین سیکھ کر بھی اللہ کو راضی نہیں کیا جاسکتا۔

## دین سیکھنے کے لیے کس کا انتخاب کیا جائے؟

دین سیکھنے، مسئلہ پوچھنے اور بیان سننے کے لیے جس چیز کو معیار بنایا جاسکتا ہے وہ ہے مستند ہونا کہ وہ شخصیت علمی اور عملی اعتبار سے مستند اور معتبر ہو، اور مستند ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُن کا تعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ ہو، انھوں نے مستند اہلِ علم سے علم حاصل کیا ہو، جن کو دینی علوم میں مطلوبہ مہارت حاصل ہو، جن کو تفقُّہ فی الدین کی دولت حاصل ہو، جن کے علم وعمل اور خوفِ خدا پر اعتماد واطمینان ہو، وقت کے اکابر اہلِ علم جن کے خلاف نہ ہوں۔

اس لیے یہ یاد رکھیے کہ:

جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ. (صحیح مسلم مقدمہ روایت:26)

**ترجمہ:** یہ علم، دین ہے، اس لیے تحقیق کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

- صحیح مسلم:

٢٦- حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ وَهِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍخ وَحَدَّثَنَا فُضَيْلٌ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: وَحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ.

اس ارشادِ عالی سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی کا بیان سننے، کسی سے مسئلہ پوچھنے اور دینی تعلیمات حاصل کرنے سے پہلے اس کے عقائد و نظریات کی درستی، علم وعمل کی پختگی اور مستند ہونے سے متعلق تحقیق اور اطمینان کر لینا چاہیے کیوں کہ بات تبھی معتبر ہو سکتی ہے جب شخصیت معتبر ہوتی ہے۔

اس کی مکمل تفصیل بندہ کے رسالے ’’آداب الاستفتاء: مسئلہ پوچھنے اور دین سیکھنے کے آداب‘‘ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ البتہ ذیل میں اسی مناسبت سے مزید چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ دین سیکھنا کس قدر حساس معاملہ ہے اور اس میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے!

## علم کونسا معتبر ہے؟

محدث جلیل حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’’صحیح بخاری‘‘ میں تعلیقًا یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ: ’’إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ‘‘، اس روایت کی تشریح میں حضرت امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث شریف کے معنی یہ ہیں کہ علم وہی معتبر ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے وارثین یعنی اہلِ علم سے سیکھ کر حاصل کیا جائے۔

- صحیح بخاری:

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَهِّمْهُ، وَإِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ».

(بَاب الْعِلْم قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ)

- فتح الباری لابن حجر:

قَوْلُهُ: «وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ» كَذَا فِي رِوَايَةِ الْأَكْثَرِ، وَفِي رِوَايَةِ الْمُسْتَمْلِي:

«يُفَهِّمْهُ» بِالْهَاءِ الْمُشَدَّدَةِ الْمَكْسُورَةِ بَعْدَهَا مِيمٌ، وَقَدْ وَصَلَهُ الْمُؤَلِّفُ بِاللَّفْظِ الْأَوَّلِ بَعْدَ هَذَا بِبَابَيْنِ كَمَا سَيَأْتِي، وَأما اللَّفْظ الثَّانِي فَأَخْرجهُ بْنُ أَبِي عَاصِمٍ فِي كِتَابِ الْعِلْمِ مِنْ طَرِيقِ ابن عُمَرَ عَنْ عُمَرَ مَرْفُوعًا، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ. وَالْفِقْهُ هُوَ الْفَهْمُ؛ قَالَ اللهُ تَعَالَى: «لَا يَكَادُونَ يفقهُونَ حَدِيثا» أَيِ لا يفهمون، وَالْمُرَادُ: الْفَهْمُ فِي الْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ. قَوْلُهُ: «وَإِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ» هُوَ حَدِيثٌ مَرْفُوعٌ أَيْضًا أَوْرَدَهُ ابن أَبِي عَاصِمٍ وَالطَّبَرَانِيُّ مِنْ حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ أَيْضًا بِلَفْظِ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، تَعَلَّمُوا، إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ، وَالْفِقْهُ بِالتَّفَقُّهِ، وَمَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ». إِسْنَادُهُ حَسَنٌ، إِلَّا أَنَّ فِيهِ مُبْهَمًا اعْتُضِدَ بِمَجِيئِهِ مِنْ وَجْهٍ آخر، وروى الْبَزَّار نَحوه من حَدِيث ابن مَسْعُودٍ مَوْقُوفًا، وَرَوَاهُ أَبُو نُعَيْمٍ الْأَصْبَهَانِيُّ مَرْفُوعًا، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَغَيْرِهِ، فَلَا يغتر بقول مَنْ جَعَلَهُ مِنْ كَلَامِ الْبُخَارِيِّ. وَالْمَعْنَى: لَيْسَ الْعِلْمُ الْمُعْتَبَرُ إِلَّا الْمَأْخُوذَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَوَرَثَتِهِمْ عَلَى سَبِيلِ التَّعَلُّمِ. (بَاب الْعِلْم قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ)

اس سے معلوم ہوا کہ:

1۔ جس شخص نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثین اہلِ علم سے علم سیکھ کر حاصل نہ کیا ہو اس کا علم معتبر نہیں، جب اس کا علم معتبر نہیں تو ایسے شخص سے حاصل کیا جانے والا علم اور دین بھی معتبر نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ دین واسطہ در واسطہ ایک تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اس دینی کڑی، تسلسل اور واسطوں کو نظر انداز کر کے براہِ راست قرآن وحدیث سمجھنے کی کوشش کرے گا تو وہ خود بھی گمراہی کا شکار ہو گا اور دوسروں کو گمراہی میں مبتلا کرے گا۔ ایسے میں وہ دین کے معاملے میں کیسے معتبر قرار پا سکتا ہے! اور ویسے بھی ''سبیل المؤمنین'' کو چھوڑ کر کسی نام نہاد محقق اور اسکالر پر اعتماد کرنا قرآن وسنت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے!

2۔ جو مذہبی اسکالرز اور شخصیات مستند اہلِ علم سے علم حاصل نہیں کرتیں بلکہ خود ہی قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے اپنے فہم کے مطابق پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا جیسے رائج ذرائع اِبلاغ کے ذریعے دین کی اشاعت میں مصروف ہو جاتی ہیں تو ان کا علم معتبر اور مستند نہ ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں ہے کہ اسے سنا

جائے اور اسے اہمیت دی جائے!

3۔اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ جو حضرات اہلِ علم سے دین سیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، بلکہ از خود قرآن و سنت میں غور کر کے دین سیکھنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔

## سلف صالحین اور اکابرِ امت کو بُرا کہنے والا غیر معتبر ہے!

حضرت علی بن شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے علی الاعلان یہ بات ارشاد فرمائی کہ: عَمرو بن ثابت کی احادیث ترک کردو (اور ان سے احادیث نہ لو) کیوں کہ وہ سلف صالحین کو بُرا کہتا تھا۔

- صحیح مسلم:

٣٥- قَالَ مُحَمَّدٌ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ شَقِيقٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْمُبَارَكِ يَقُولُ عَلَى رُءُوسِ النَّاسِ: دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ؛ فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلَفَ.

اس ارشادِ عالی سے معلوم ہوا کہ:

1۔جو نام نہاد مذہبی اسکالرز حضرات صحابہ کرام، سلف صالحین اور اکابرِ امت کو بُرا کہتے ہیں، ان کو بدنام کرتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں تو ان سے ہرگز دین نہیں سیکھنا چاہیے کیوں کہ اس جرم کی وجہ سے وہ قابلِ اعتبار نہیں رہتے۔

2۔حضرات صحابہ کرام، سلف صالحین اور اکابرِ امت کے خلاف بداعتمادی کی فضا قائم کرنے والے نام نہاد مذہبی اسکالرز کا دین معتبر نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ہمیں تو دین انھی حضرات اکابرِ امت کے واسطے سے پہنچا ہے، تو اگر انھی کو برا کہا جائے اور انھی پر اعتماد نہ کیا جائے تو ہمارے پاس جو دین ہے اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی کیا دلیل باقی رہ سکتی ہے!

3۔دین کا دار و مدار حضرات صحابہ کرام، سلف صالحین اور اکابرِ دین کی عظمت اور اعتماد پر ہے، یہی وجہ ہے کہ خود جلیل القدر امام و محدث حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے ہاں اس بات کی اس قدر اہمیت تھی کہ عَمرو بن

ثابت کو حدیث کے معاملے میں اس لیے ناقابلِ اعتبار قرار دیا کہ وہ سلف صالحین کو برا کہتا تھا۔ان کے اس ارشاد کو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں ذکر فرمایا ہے، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

## دین صرف اہل السنۃ والجماعۃ ہی سے سیکھنا چاہیے!

جلیل القدر تابعی حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرات تابعین کرام ابتدا میں تو احادیث کی سند کے بارے میں تحقیق نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنے عام ہوگئے تو پھر وہ فرماتے کہ ہمارے سامنے احادیث کی سند بھی بیان کرلیا کرو، سو تحقیق کے بعد اہل السنۃ کی احادیث قبول کرلی جائیں گی، جبکہ اہلِ بدعت اور گمراہ لوگوں کی احادیث ترک کردی جائیں گی۔

- صحیح مسلم:

٢٧- حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ.

اس سے معلوم ہوا کہ:

1۔ حضرات تابعین کرام اور تبع تابعین عظام نے فتنے عام ہونے کی وجہ سے اس بات کی ضرورت محسوس فرمائی تھی کہ حدیث کی سند کی تحقیق کیے بغیر حدیث قبول نہ کی جائے،اسی طرح اگر تحقیق کے بعد معلوم ہوجاتا کہ حدیث کو روایت کرنے والے بدعتی اور گمراہ ہیں تو ان کی احادیث ہرگز قبول نہ فرماتے، بلکہ صرف اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستہ حضرات ہی کی حدیث قبول فرماتے۔

2۔ جب حضرات تابعین کرام نے اپنے زمانے میں اس بات کی ضرورت محسوس فرمائی تھی تو آج صدیاں گزر جانے، فتنے عام ہوجانے، جھوٹ پھیل جانے، گمراہیاں سامنے آنے کے بعد دین حاصل کرنے میں کس قدر احتیاط کی ضرورت محسوس کرنی چاہیے،اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

3۔ حضرات تابعین و تبع تابعین کرام نے یہ معیار مقرر فرمالیا تھا کہ صرف اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستہ حضرات ہی کی حدیث معتبر ہو گی، یہ معیار ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم بھی ہر ایک مذہبی اسکالر اور نام نہاد مذہبی شخصیات سے دین حاصل کرنے سے اجتناب کریں، بلکہ صرف اہلُ السنۃ والجماعۃ سے وابستہ مستند حضرات ہی سے علم حاصل کیا کریں۔

4۔ اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ: یہ نہ دیکھو کہ کون بول رہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا بول رہا ہے، یعنی ذات کو نہ دیکھو بلکہ بات کو دیکھو۔ حالاں کہ یہ بات ہر جگہ درست نہیں بیٹھتی، بلکہ بہت سے مقامات پر بات تبھی معتبر ہو سکتی ہے جب ذات معتبر ہو!

## دین کی بات کرنے والے ہر اسکالر پر اعتماد نہ کیجیے!

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: شیطان کسی آدمی کی صورت اختیار کر کے لوگوں کے پاس چلا جاتا ہے اور انھیں ایک جھوٹی حدیث بیان کر دیتا ہے، چنانچہ جب لوگ منتشر ہو جاتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے، جس کی شکل وصورت پہچانتا ہوں لیکن اس کا نام معلوم نہیں۔

- صحیح مسلم:

١٧- حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبَدَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُونَ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ: سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ.

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندر میں شیاطین کو قید کر رکھا ہے، وہ عنقریب آزاد ہو جائیں اور لوگوں کے پاس جا کر انھیں قرآن سنائیں گے۔

- صحیح مسلم:

١٨- حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: إِنَّ فِي الْبَحْرِ شَيَاطِينَ مَسْجُونَةً أَوْثَقَهَا سُلَيْمَانُ، يُوشِكُ أَنْ تَخْرُجَ فَتَقْرَأَ عَلَى النَّاسِ قُرْآنًا.

**مذکورہ دو روایات سے معلوم ہوا کہ:**

1۔ بسا اوقات شیاطین بھی انسانی صورت میں آکر قرآن و حدیث بیان کر دیتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک دین بیان کرنے والے کی بات پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

2۔ دین سیکھنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں کہ کوئی اسکالر میڈیا پر آکر بیان کر رہا ہے، بلکہ ان کے بارے میں مکمل تحقیق ضروری ہے، اس لیے صرف انھی حضرات اہلِ علم سے دین سیکھنا چاہیے جن کے بارے میں مکمل ضروری معلوم ہوں کہ ان کا تعلق اہل السنۃ کے ساتھ ہے یا نہیں، انھوں نے علم کس سے حاصل کیا ہے؟ ان کے بارے میں حضرات اکابر اہلِ علم کیا رائے رکھتے ہیں، وغیرہ۔

## فائدہ:

مذکورہ چند باتیں صرف اسی جذبے کے تحت ذکر کی گئی ہیں کہ مسلمان دین سیکھنے اور علم حاصل کرنے میں شدتِ احتیاط سے کام لیں تاکہ وہ ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ ہو سکیں، ورنہ تو بہت بڑے خسارے کا قوی اندیشہ ہے۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

19 جُمادی الاُولیٰ 1442ھ/4 جنوری 2020

**مقالہ نمبر 10:**

# گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھانے کا حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## صورتِ مسئلہ کی وضاحت:

ایک شخص کسی دوسرے کو قرض دیتا ہے اور اس سے ضمانت کے طور پر کوئی گاڑی، مکان، موبائل یا زمین وغیرہ گروی رکھ لیتا ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو رہن کا معاملہ کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں قرض خواہ کو مُرتہِن جبکہ قرض دار کو راہِن کہا جاتا ہے۔

بہت سے قرض خواہ جب اپنے قرض داروں سے گروی میں کوئی چیز رکھ لیتے ہیں تو قرض واپس ملنے تک اس چیز کو اپنے استعمال میں لاتے اور اس سے نفع اٹھاتے رہتے ہیں، حتی کہ قرض خواہ اس چیز سے نفع اُٹھانے کو اپنا حق سمجھتے ہیں کہ چوں کہ ہم نے قرض دیا ہے اس لیے ہمیں اس گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھانے کا حق حاصل ہے۔ یہ رواج بہت زیادہ عام ہو چکا ہے اور اس کی بہت سی شکلیں رائج ہو چکی ہیں۔

ذیل میں اس کا حکم ذکر کیا جاتا ہے تاکہ جو مسلمان اس میں مبتلا ہیں ان کی راہنمائی اور اصلاح ہو سکے۔

## گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھانے کا حکم:

1۔ قرض خواہ کے لیے گروی رکھی ہوئی چیز سے کسی بھی قسم کا نفع اُٹھانا ناجائز اور حرام ہے، چاہے قرض دار کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت کے بغیر ہو۔ اس لیے اگر باہمی رضامندی سے قرض خواہ کے لیے گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھانے کا معاملہ طے ہوا ہو تو دونوں فریق گناہ گار ہوں گے۔

2۔ اگر قرض خواہ گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اُٹھالے جس کے نتیجے میں اس کو آمدنی حاصل ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ آمدنی قرض دار کی امانت ہے، اس لیے یا تو یہ آمدنی قرض دار کو دے دے، یا اسی کو اپنے قرض میں شمار کر لے اور جو کمی بیشی ہو اس کا حساب کر لے۔ اور اگر خود اس چیز کو استعمال کیا ہے جس کے نتیجے میں کوئی آمدنی نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں عرف کے مطابق اس کے استعمال کا جتنا کرایہ بنتا ہے اُس کو قرضے میں شمار کر لیا جائے یا قرض دار کو دے دیا جائے۔

3۔ اگر قرض خواہ گروی رکھی ہوئی چیز یعنی دکان، مکان یا گاڑی وغیرہ کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو اس کی جائز

صورت یہ ہے کہ اس چیز کا عرف کے مطابق کرایہ مقرر کر دیا جائے، پھر وہ کرایہ قرض میں سے منہا یعنی منفی ہوتا رہے۔

ذیل میں اس حوالے سے چند فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

- فتاویٰ عثمانی میں ہے:

"مرتہن [یعنی قرض خواہ] کے لیے رہن سے نفع اُٹھانا جائز نہیں تھا، اس نے کاشت کے لیے دے کر جتنی آمدنی کمائی وہ راہن [یعنی قرض دار] کی امانت ہے، اب اگر یہ آمدنی قرض کو پورا کر دیتی ہے تو اب راہن کے ذمے قرض باقی نہیں رہا، اور اگر پورا نہیں کرتی تو جتنا قرض زائد ہے اتنی کا واپس کرنا مرتہن کے ذمے لازم ہے۔" (کتاب الرہن: 3/ 422)

- فتاویٰ عثمانی میں ہے:

"جو موٹر سائیکل گروی رکھی گئی ہے قرض خواہ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس استعمال کا کرایہ بازاری نرخ کے مطابق مقرر کر کے اسے قرض میں محسوب کیا جائے تو جائز ہے۔"

(کتاب الرہن: 3/ 423)

- کفایت المفتی میں ہے:

"زمین پر مرتہن کو صرف قبضہ کرنا جائز ہے، اس کو کاشت کرنا یا کاشت کے لیے کسی کو دینا جائز نہیں، اور اگر خود کاشت کرے تو اس کا پورا کرایہ راہن کو ادا کرے یا اس کی رقم میں سے وضع کرے اور اگر کسی دوسرے کو کاشت کے لیے دی ہے تو اس کا پورا معاوضہ راہن کو دے یا رقمِ راہن میں سے وضع کرے۔

(جواب نمبر: 179، جلد 8، صفحہ 144)

## گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھانے کے حرام ہونے کی وجوہات:

### پہلی وجہ:

شریعت کا ایک واضح اصول ہے کہ قرضے کی بنیاد پر کسی بھی قسم کا معروف یا مشروط نفع اُٹھانا سود کے زمرے میں آتا ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ چوں کہ گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھانا بھی قرضے کی بنیاد پر نفع لینے کے زمرے میں آتا ہے اس لیے یہ بھی سود ہی کے حکم میں ہے جس کا ناجائز اور حرام ہونا واضح ہے۔

شریعت کا یہ اصول بعض روایات سے بھی ثابت ہے چنانچہ:

1۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو بھی قرض کسی بھی قسم کا نفع کھینچے تو وہ نفع سود کے حکم میں ہے۔“

2۔ امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو پانچ سو دراہم قرضہ دیا اور ساتھ میں اس کے گھوڑے پر سواری کرنے کی شرط بھی لگائی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ گھوڑے پر سوار ہونے کی شرط تو سود ہے۔

اسی طرح یہ اصول دیگر حضرات صحابہ کرام اور متعدد تابعین کرام سے بھی ثابت ہے۔

- بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث بن أبي أسامة:

٤٣٧- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ حَمْزَةَ: أَنْبَأَنَا سَوَّارُ بْنُ مُصْعَبٍ عَنْ عُمَارَةَ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا». (باب في القرض يجر المنفعة)

- إتحاف الخيرة المهرة:

٢٩٣٧- قَالَ الْحَارِثُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ حَمْزَةَ: أَنْبَأَنَا سَوَّارُ بْنُ مُصْعَبٍ، عَنْ عِمَارَةَ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا».

هذا إسناد ضَعِيفٌ؛ لِضَعْفِ سَوَّارِ بْنِ مُصْعَبٍ الهمداني. وَلَهُ شَاهِدٌ مَوْقُوفٌ عَلَى فِضَالَةَ

بْنِ عُبَيْدٍ، وَلَفْظُهُ: كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ وَجْهٌ مِنْ وُجُوهِ الرِّبَا. وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي «الْمُسْتَدْرَكِ»، وَعَنْهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي «سُنَنِهِ الْكُبْرَى»، وَاللَّفْظُ لَهُ.

- مُصنف ابن أبي شيبة:

٢١٠٧٧- حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرِ عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: كَانُوا يَكْرَهُونَ كُلَّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً.

٢١٠٧٨- حَدَّثَنَا حَفْصٌ عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا.

٢١٠٧٩- حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُمَا كَانَا يَكْرَهَانِ كُلَّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً.

٢١٠٨٠- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: أَقْرَضَ رَجُلٌ رَجُلًا خَمْسَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ ظَهْرَ فَرَسِهِ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: مَا أَصَابَ مِنْ ظَهْرِ فَرَسِهِ فَهُوَ رِبًا.

٢١٠٨١- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَرِهَ كُلَّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً.

## تنبیہ:

مذکورہ روایات کے معتبر ہونے سے متعلق تفصیلی کلام کے لیے ''اِعلاءالسنن'' ملاحظہ فرمائیں۔

## دوسری وجہ:

قرض دار کی اجازت کے بغیر گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کی صورت میں ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دوسرے کی ملکیت میں بغیر اجازت کے تصرف کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے، کیوں کہ گروی رکھنے سے وہ چیز قرض خواہ کی ملکیت میں نہیں آجاتی بلکہ قرض دار ہی اس کا بدستور مالک رہتا ہے، اس لیے اس چیز سے بلااجازت نفع اُٹھانا دوسرے کی ملکیت میں بلااجازت تصرف کرنے کا حکم رکھتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ یہ اُس صورت میں ہے کہ جب قرض خواہ اپنے قرض دار کی اجازت کے بغیر گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اُٹھائے۔

## مذکورہ مسئلے کی مروّجہ شکلیں:

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوچکی کہ گروی رکھی ہوئی چیز سے کسی بھی قسم کا نفع اُٹھانا سود کے زمرے میں آتاہے جو کہ حرام ہے۔ ذیل میں اس نفع اُٹھانے کی چند رائج صورتیں ذکر کی جاتی ہیں:

1۔ قرض خواہ کا قرض دار سے مکان گروی میں لے لینااور پھر اس میں خود رہنا، یا کسی کو کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ لینا، یا بغیر کرایہ کے دے دینا، یہ سود کے زمرے میں آتاہے۔

2۔ قرض خواہ کا قرض دار سے زرعی زمین گروی میں لے لینااور پھر اس میں خود فصل کاشت کرنا، یا کسی کو فصل کاشت کرنے کے لیے کرایہ پر یا بغیر کرایہ کے دے دینا، یہ بھی سود کے زمرے میں آتاہے۔

3۔ قرض خواہ کا قرض دار سے گاڑی یا دکان گروی میں لے لینااور پھر اس کو اپنے استعمال میں لانا یا کسی دوسرے کو کرایہ پر یا بغیر کرایہ کے دے دینا، یہ بھی سود کے زمرے میں آتاہے۔

4۔ قرض خواہ کا قرض دار سے موبائل فون یا کوئی اور استعمال کی چیز گروی میں لے لینااور پھر اس کو اپنے استعمال میں لانا، یہ بھی سود کے زمرے میں آتاہے۔

## فائدہ:

مذکورہ مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: امداد الفتاویٰ، کفایت المفتی، فتاویٰ عثمانی، فتاویٰ حقانیہ وغیرہ۔

## فقہی عبارات

- الدر المختار:

(لَا انْتِفَاعَ بِهِ مُطْلَقًا) لَا بِاسْتِخْدَامٍ، وَلَا سُكْنَى وَلَا لُبْسٍ وَلَا إجَارَةٍ وَلَا إعَارَةٍ، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ (إلَّا بِإِذْنِ) كُلٍّ لِلْآخَرِ، وَقِيلَ: لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ؛ لِأَنَّهُ رِبًا، وَقِيلَ: إنْ شَرَطَهُ كَانَ رِبًا وَإِلَّا لَا. وَفِي «الْأَشْبَاهِ» وَ«الْجَوَاهِرِ»: أَبَاحَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ أَكْلَ الثِّمَارِ أَوْ سُكْنَى الدَّارِ أَوْ لَبَنِ

الشَّاةِ الْمَرْهُونَةِ فَأَكَلَهَا لَمْ يَضْمَنْ، وَلَهُ مَنْعُهُ، ثُمَّ أَفَادَ فِي «الْأَشْبَاهِ» أَنَّهُ يُكْرَهُ لِلْمُرْتَهِنِ الِانْتِفَاعُ بِذَلِكَ، وَسَيَجِيءُ آخِرَ الرَّهْنِ.

- ردالمحتار:

(قَوْلُهُ: وَقِيلَ: لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ) قَالَ فِي «الْمِنَحِ»: وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمَ السَّمَرْقَنْدِيِّ وَكَانَ مِنْ كِبَارِ عُلَمَاءِ سَمَرْقَنْدَ: أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ وَإِنْ أَذِنَ لَهُ الرَّاهِنُ؛ لِأَنَّهُ أَذِنَ لَهُ فِي الرِّبَا؛ لِأَنَّهُ يَسْتَوْفِي دَيْنَهُ كَامِلًا فَتَبْقَى لَهُ الْمَنْفَعَةُ فَضْلًا فَيَكُونُ رِبًا، وَهَذَا أَمْرٌ عَظِيمٌ. قُلْت: وَهَذَا مُخَالِفٌ لِعَامَّةِ الْمُعْتَبَرَاتِ مِنْ أَنَّهُ يَحِلُّ بِالْإِذْنِ إلَّا أَنْ يُحْمَلَ عَلَى الدِّيَانَةِ، وَمَا فِي الْمُعْتَبَرَاتِ عَلَى الْحُكْمِ، ثُمَّ رَأَيْتُ فِي «جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى»: إذَا كَانَ مَشْرُوطًا صَارَ قَرْضًا فِيهِ مَنْفَعَةٌ وَهُوَ رِبًا، وَإِلَّا فَلَا بَأْسَ اهـ مَا فِي «الْمِنَحِ» مُلَخَّصًا، وَأَقَرَّهُ ابْنُهُ الشَّيْخُ صَالِحٌ. وَتَعَقَّبَهُ الْحَمَوِيُّ بِأَنَّ مَا كَانَ رِبًا لَا يَظْهَرُ فِيهِ فَرْقٌ بَيْنَ الدِّيَانَةِ وَالْقَضَاءِ. عَلَى أَنَّهُ لَا حَاجَةَ إلَى التَّوْفِيقِ بَعْدُ؛ لِأَنَّ الْفَتْوَى عَلَى مَا تَقَدَّمَ: أَيْ مِنْ أَنَّهُ يُبَاحُ. أَقُولُ: مَا فِي «الْجَوَاهِرِ» يَصْلُحُ لِلتَّوْفِيقِ وَهُوَ وَجِيهٌ، وَذَكَرُوا نَظِيرَهُ فِيمَا لَوْ أَهْدَى الْمُسْتَقْرِضُ لِلْمُقْرِضِ، إنْ كَانَتْ بِشَرْطٍ كُرِهَ وَإِلَّا فَلَا، وَمَا نَقَلَهُ الشَّارِحُ عَنِ «الْجَوَاهِرِ» أَيْضًا مِنْ قَوْلِهِ: «لَا يَضْمَنُ» يُفِيدُ أَنَّهُ لَيْسَ بِرِبًا؛ لِأَنَّ الرِّبَا مَضْمُونٌ فَيُحْمَلُ عَلَى غَيْرِ الْمَشْرُوطِ. وَمَا فِي «الْأَشْبَاهِ» مِنَ الْكَرَاهَةِ عَلَى الْمَشْرُوطِ، وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُ الشَّارِحِ الْآتِي آخِرَ الرَّهْنِ: إنَّ التَّعْلِيلَ بِأَنَّهُ رِبًا يُفِيدُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ تَحْرِيمِيَّةٌ، فَتَأَمَّلْ. وَإِذَا كَانَ مَشْرُوطًا ضَمِنَ كَمَا أَفْتَى بِهِ فِي «الْخَيْرِيَّةِ» فِيمَنْ رَهَنَ شَجَرَ زَيْتُونٍ عَلَى أَنْ يَأْكُلَ الْمُرْتَهِنُ ثَمَرَتَهُ نَظِيرَ صَبْرِهِ بِالدَّيْنِ. قَالَ ط: قُلْتُ: وَالْغَالِبُ مِنْ أَحْوَالِ النَّاسِ أَنَّهُمْ إنَّمَا يُرِيدُونَ عِنْدَ الدَّفْعِ الِانْتِفَاعَ، وَلَوْلَاهُ لَمَا أَعْطَاهُ الدَّرَاهِمَ، وَهَذَا بِمَنْزِلَةِ الشَّرْطِ؛ لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ وَهُوَ مِمَّا يُعَيِّنُ الْمَنْعَ، وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ اهـ.

[فَائِدَةٌ] قَالَ فِي «التَّتَارْخَانِيَّة» مَا نَصُّهُ: وَلَوِ اسْتَقْرَضَ دَرَاهِمَ وَسَلَّمَ حِمَارَهُ إلَى الْمُقْرِضِ لِيَسْتَعْمِلَهُ إلَى شَهْرَيْنِ حَتَّى يُوَفِّيَهُ دَيْنَهُ أَوْ دَارِهِ لِيَسْكُنَهَا فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ، إنْ اسْتَعْمَلَهُ فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِهِ وَلَا يَكُونُ رَهْنًا اهـ. وَقَدَّمْنَاهُ فِي الْإِجَارَاتِ فَتَنَبَّهْ. (كتاب الرهن)

## فائدہ:

زیرِ نظر موضوع کافی طویل اور اہم ہے، اس زیرِ نظر تحریر میں اس کا بنیادی خاکہ ذکر کیا گیا ہے، مزید تفصیل کے لیے حضرات اہلِ علم سے رابطہ کر لیا جائے۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

22 جُمادی الاُولیٰ 1442ھ/7 جنوری 2020

## تائید و تصدیق:

محترم و مکرم حضرت مولانا مفتی ارشاد احمد اعجاز صاحب زید مجدہم

چیئرمین شریعہ ایڈوائزری بورڈ بینک اسلامی پاکستان۔

مقالہ نمبر 11:

# ڈیجیٹل تصویر پر ماشاءاللہ لکھنے کا حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## ڈیجیٹل تصویر پر ماشاءاللہ لکھنے کا حکم:

عصرِ حاضر میں سوشل میڈیا کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث یہ سوال کثرت سے پوچھا جاتا ہے کہ فیس بُک وغیرہ میں موجود کسی شخص کی ڈیجیٹل تصویر پر ماشاءاللہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال اس لیے پیش آتا ہے کہ جاندار کی تصویر تو حرام اور گناہ ہے اور گناہ کے کام پر ماشاءاللہ لکھنے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟ یہ سوال یقینًا اہمیت رکھتا ہے، اس لیے ذیل میں اس کا تفصیلی حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

## مذکورہ مسئلے کو سمجھنے کے لیے دو بنیادی پہلو:

فیس بُک یا اس جیسے دیگر ڈیجیٹل ذرائعِ ابلاغ میں موجود انسان یا کسی اور جاندار کی ڈیجیٹل تصویر پر ماشاء اللہ لکھنا جائز ہے یا نہیں، اس کے لیے دو بنیادی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے، ملاحظہ فرمائیں:

### 1۔ ڈیجیٹل تصویر حرام تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

فیس بُک وغیرہ میں موجود انسان یا کسی اور جاندار کی ڈیجیٹل تصویر پر ماشاء اللہ لکھنے کے جائز یا ناجائز ہونے کا دار و مدار ایک تو اس بات پر ہے کہ ڈیجیٹل تصویر شرعی طور پر حرام ہے یا نہیں؟ تو واضح رہے کہ ڈیجیٹل تصویر بنانے سے متعلق دورِ حاضر کے حضرات اہلِ علم کی دو مختلف آرا پائی جاتی ہیں، اور اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے جان دار کی جس تصویر سے منع فرمایا ہے اور جس تصویر کو حرام قرار دیا ہے تو کیا یہ ڈیجیٹل تصویر شریعت کی اُس حرام کردہ تصویر کے حکم میں ہے یا نہیں؟ گویا کہ اختلاف ہی یہی ہے کہ یہ ڈیجیٹل تصویر شرعی طور پر ممنوع تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں، تو جن حضرات کے نزدیک یہ ڈیجیٹل تصویر بھی اُس ناجائز تصویر کے حکم میں داخل ہے تو ان کے نزدیک یہ بھی حرام ہے، بھلے اس میں اس کے علاوہ کوئی اور غیر شرعی بات نہ پائی جائے بلکہ فقط تصویر ہونا ہی اس کے ناجائز ہونے کے لیے کافی ہے، جیسا کہ جامعہ بنوری ٹاؤن کا فتویٰ ہے۔ البتہ جو حضرات اس کو تصویر نہیں سمجھتے اُن کے نزدیک جائز ڈیجیٹل تصویر جائز ہے، یعنی محض تصویر کی وجہ سے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ اس میں کوئی اور غیر شرعی وجہ نہ پائی

جائے، جیسا کہ جامعہ دار العلوم کراچی کا موقف ہے، البتہ یہ حضرات بلاوجہ ڈیجیٹل تصویر کشی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ ہر موقف کی تفصیل ان کے فتاویٰ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان حضرات اہلِ علم میں سے جن کے قول پر اعتماد ہو انھی کی رائے پر عمل کرنا درست ہے البتہ دوسرا موقف رکھنے والے حضرات اہلِ علم کو طنز وملامت کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ اختلافِ رائے پر مبنی ایسے اجتہادی امور میں یہی طریقہ زیادہ مناسب ہے۔ البتہ جو لوگ اختلافی امور سے بچنے کی خاطر ایسی چیزوں میں احتیاط کرتے ہیں تو یہ بھی ایک بہتر اور اچھا طریقہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مذکورہ پہلو کے اعتبار سے زیرِ بحث مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ جن حضرات اہلِ علم کے نزدیک ڈیجیٹل تصویر شرعی طور حرام تصویر ہی کے حکم میں داخل ہے تو ان کے نزدیک فیس بُک وغیرہ میں موجود انسان یا کسی اور جاندار کی ڈیجیٹل تصویر پر ماشاء اللہ لکھنا ناجائز ہے کیوں کہ ناجائز کام اور ناجائز چیز پر ماشاء اللہ لکھنا جائز ہی نہیں۔ البتہ جن حضرات اہلِ علم کے نزدیک ڈیجیٹل تصویر شرعی طور پر حرام تصویر کے حکم میں داخل نہیں تو ان کے نزدیک فیس بُک وغیرہ میں موجود انسان یا کسی اور جاندار کی جائز ڈیجیٹل تصویر پر ماشاء اللہ لکھنے کی گنجائش اور اجازت ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی اور غیر شرعی وجہ نہ پائی جائے۔

## 2۔ غیر شرعی تصویر پر ماشاء اللہ یا تعریفی کلمات لکھنے کا حکم:

فیس بُک وغیرہ میں موجود انسان یا کسی اور جاندار کی جائز ڈیجیٹل تصویر پر ماشاء اللہ یا تعریفی کلمات لکھنے کے جائز یا ناجائز ہونے کا دار ومدار اس بات پر بھی ہے کہ اس ڈیجیٹل تصویر میں کوئی غیر شرعی وجہ پائی جارہی ہے یا نہیں؟ اگر وہ ڈیجیٹل تصویر اپنی ذات میں جائز ہو اور اس میں کوئی غیر شرعی وجہ نہ پائی جارہی ہو، جیسے کہ وہ نامحرم کی تصویر نہ ہو، یا بے حیائی یا کسی اور گناہ پر مشتمل تصویر نہ ہو تو ایسی صورت میں اس پر ماشاء اللہ یا تعریفی کلمات لکھنے یا اپنی پسند کا اظہار کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر اس ڈیجیٹل تصویر میں کوئی غیر شرعی وجہ پائی جارہی ہو تو ایسی صورت میں اس پر ماشاء اللہ یا تعریفی کلمات لکھنا یا اپنی پسند کا اظہار کرنا واضح طور پر ناجائز اور گناہ

ہے، جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ یہ مذکورہ تفصیل اُن اہلِ علم کے مذہب کے مطابق ہے جن کے نزدیک ڈیجیٹل تصویر شرعی طور پر حرام تصویر کے حکم میں داخل نہیں۔ جہاں تک اُن اہلِ علم کا تعلق ہے جن کے نزدیک ڈیجیٹل تصویر شرعی طور پر حرام تصویر کے حکم میں ہے تو اُن کے نزدیک اگر ڈیجیٹل تصویر میں تصویر ہونے کے علاوہ کوئی اور غیر شرعی وجہ نہ بھی ہو تب بھی اس پر ماشاء اللہ یا تعریفی کلمات لکھنا جائز نہیں، اور اگر ڈیجیٹل تصویر میں کوئی اور غیر شرعی وجہ بھی موجود ہو تو ایسی صورت میں دو گناہ جمع ہو جاتے ہیں: ایک تو ڈیجیٹل تصویر کے ناجائز ہونے کا، اور دوسرا اُس تصویر کے غیر شرعی امور پر مشتمل ہونے کا۔

## خلاصہ:

جن حضرات کے نزدیک جاندار کی ڈیجیٹل تصویر مطلقاً ناجائز ہے اُن کے نزدیک ایسی تصویر پر ماشاء اللہ لکھنا بھی ناجائز ہے، البتہ جن حضرات کے نزدیک جاندار کی جائز ڈیجیٹل تصویر جائز ہے اُن کے نزدیک ایسی تصویر پر ماشاء اللہ لکھنے کی گنجائش ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی غیر شرعی وجہ اور گناہ پر مشتمل نہ ہو۔

- **جامعہ دار العلوم کراچی کا فتویٰ:**

"فیس بک پر ڈیجیٹل تصویر ہوتی ہے اور ڈیجیٹل تصویر کے بارے میں علماءِ عصر کا اختلاف ہے، بعض علماء ناجائز کہتے ہیں اور بعض اس کو تصویرِ مُحرم میں داخل نہیں سمجھتے۔ ہماری تحقیق کے مطابق دوسری رائے راجح ہے، اس لیے محض تصویر ہونے کی بنا پر اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا اور اس ڈیجیٹل تصویر کو دیکھ کر ماشاء اللہ لکھنا ممنوع نہیں، البتہ اگر کوئی غیر شرعی عمل کی تصویر ہو تو اس پر تحسین کے کلمات کہنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب" (فتویٰ نمبر: ۱۹۳۸/ ۶، مؤرخہ: ۲۰/ ۱۲/ ۲۰۱۷)

## زیرِ نظر مسئلے کا ایک توجہ طلب پہلو:

ما قبل میں ڈیجیٹل تصویر پر ماشاء اللہ اور تعریفی کلمات لکھنے کا حکم تفصیل سے بیان ہو چکا، البتہ اسی سے منسلک ایک اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ڈیجیٹل تصویر کے حوالے سے ایک خرابی یہ بھی بہت عام ہو چکی ہے کہ بہت سے لوگ بے جا تصویر کھنچوانے کی عادت بلکہ مرض میں بُری طرح مبتلا ہو گئے ہیں حتی کہ ان کی یہ عادت متعدّد ظاہری اور باطنی خرابیوں اور اس سے بڑھ کر غیر شرعی امور کا سبب بن چکی ہے، ظاہر ہے کہ بے جا تصویر کھنچوانے کی عادت اور کثرت سنجیدہ مزاجی نہیں بلکہ جسمانی اور روحانی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

اس نامناسب صورتحال کا تقاضا یہ ہے کہ اس بڑھتی ہوئی خرابی اور بیماری کی حوصلہ شکنی کی جائے، جس کی ایک صورت یہی ہے کہ بے جا تصویر کھنچوانے کی عادت میں مبتلا افراد کی جائز تصاویر پر بھی ماشاء اللہ یا دیگر تعریفی و تحسینی کلمات لکھنے اور اپنی پسند کا اظہار کرنے سے اجتناب کیا جائے، کیوں کہ اس مرض کے بڑھنے کی وجہ بھی یہی حوصلہ افزائی ہے۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
19 جُمادی الثانیہ 1442ھ/2 فروری 2020

مقالہ نمبر 12:

# دائمی نقشہ اوقاتِ نماز سمجھیے!

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

# فہرست

- دائمی نقشہ اوقاتِ نماز سمجھیے!
- گھڑیاں ملک کے معیاری وقت کے مطابق کیجیے!
- نقشے کے مندرجات۔

## فجر/صبح صادق

- صبح صادق طلوع ہوتے وقت سورج کتنے ڈگری زیرِ اُفق ہوتا ہے؟
- نمازِ فجر کی اذان کب دی جائے؟
- مردوں اور عورتوں کے لیے نمازِ فجر کا مستحب وقت۔
- خواتین مسجد کی اذان کی پابند نہیں۔
- سحری کا وقت رات ہی کو ہے۔
- فجر کی اذان کے دوران سحری بند کرنے کا حکم۔
- سحری بند کرنے میں فجر کی اذان کا کوئی اعتبار نہیں۔
- مساجد سے سحری بند کرنے کے لیے اعلان کا اہتمام۔

## طلوعِ آفتاب

## اشراق

- اشراق کی نماز کا وقت۔
- چاشت کی نماز کا وقت۔

## زوالِ آفتاب/استوائے آفتاب

## عصرِ شافعی/مِثلِ اوّل

## عصرِ حنفی / مِثلِ ثانی

- نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کے اوقات سے متعلق چند وضاحتیں۔
- ''سایہ اصلی'' اور ''فَيْءُ الزَّوَال'' کی حقیقت۔
- مِثلِ اوّل اور مثلِ ثانی کی حقیقت۔
- نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کے وقت میں ائمہ کرام کا اختلاف۔
- احتیاط پر مبنی قول۔
- ظہر کی نماز کا وقتِ مستحب۔
- جمعہ کی نماز کا وقتِ مستحب۔
- نمازِ عصر کے وقت سے متعلق چند اہم مسائل۔

## غروبِ آفتاب

- نمازِ مغرب سے متعلق مسائل۔
- مغرب کی اذان اور جماعت کے مابین وقفہ کرنے کا حکم۔
- افطار کا وقت۔
- روزہ افطار کرنے میں مغرب کا وقت داخل ہونے کا اعتبار ہے۔
- نمازِ اوَّابین کا وقت۔

## عشا

- نمازِ عشا اور نمازِ وتر سے متعلق اہم مسائل۔
- نمازِ تہجُّد کا وقت۔
- نمازِ وتر کے بعد تہجد ادا کرنے کا حکم۔

## شب و روز کے تین مکروہ اوقات اور ان کے احکام

## دائمی نقشہ اوقاتِ نماز سمجھیے!

نمازوں اور سحر واِفطار کے اوقات معلوم کرنے کے لیے مستند ماہرین اہلِ علم کی زیر نگرانی تیار کردہ نقشوں کی بڑی اہمیت اور افادیت ہے، اس کی وجہ سے بڑی ہی سہولت میسر آجاتی ہے اور بہت سی غلطیوں سے حفاظت ہو جاتی ہے، لیکن قابلِ اصلاح بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ان نقشوں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے جس کے نتیجے میں متعدد فوائد سے محروم ہو جانا اور متعدد غلطیوں میں مبتلا ہو جانا ایک واضح سی بات ہے۔

ذیل میں اوقاتِ نماز کے نقشے میں درج امور کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی وضاحت ذکر کی جاتی ہے تاکہ نقشہ سمجھنے میں سہولت رہے۔

## گھڑیاں ملک کے معیاری وقت کے مطابق کیجیے!

اوقاتِ نماز کے نقشوں سے متعلق وضاحت کے ضمن میں یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اوقاتِ نماز اور سحر وافطار کے نقشے ملک کے معیاری وقت کے مطابق ہی بنائے جاتے ہیں، اس لیے ہر شخص کو اپنی گھڑی اور اپنے گھروں، دفاتر اور تعلیمی اداروں کی گھڑیاں ملک کے معیاری وقت کے مطابق ہی رکھنی چاہییں، اسی طرح مساجد کی گھڑیاں بھی اپنے ملک کے معیاری وقت کے مطابق کرنی چاہییں کیوں کہ نمازوں کے اوقات اور سحر وافطار میں اس کی بڑی ضرورت پڑتی ہے، جبکہ اس سے غفلت کے نتیجے میں متعدد مسائل اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مساجد کی انتظامیہ کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اس بات کی اہمیت کے لیے دو مثالیں سمجھیے:

1۔ اگر کسی مسجد کی گھڑی ملک کے معیاری وقت سے دو منٹ آگے ہے اور اس مسجد میں نقشے کے مطابق لوگوں کو افطار کی اطلاع دی جائے تو گویا کہ یہ اطلاع وقت داخل ہونے سے دو منٹ پہلے دی جائے گی، جس کا غلط ہونا واضح ہے اور اس کی بنا پر جو لوگ فوراً افطار کریں گے ان کا افطار وقت داخل ہونے سے پہلے ہوگا جس کی وجہ سے روزہ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

2۔ ایک مرتبہ بندہ مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے ایک مسجد گیا تو دیکھا کہ مسجد کی گھڑی ملک کے معیاری

وقت سے دو منٹ آگے ہے، تو جیسے ہی مسجد کی گھڑی کے مطابق مغرب کا وقت داخل ہوا تو مؤذن صاحب فورًا اذان دینے کے لیے اُٹھنے لگے تو بندہ نے ان کو سمجھایا کہ ابھی تو وقت ہی داخل نہیں ہوا، کیوں کہ مسجد کی گھڑی دو منٹ آگے ہے، ایسی صورت میں اگر آپ اذان شروع کریں گے تو یہ وقت سے پہلے شروع ہو گی، اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر اذان کے بعض کلمات بھی وقت سے پہلے ادا کر لیے تو وقت کے اندر اس اذان کا اعادہ کیا جائے گا۔(الدر المختار)

اندازہ لگائیے کہ گھڑیاں اپنے ملک کے معیاری وقت کے مطابق رکھنے کی کس قدر اہمیت اور ضرورت ہے!! اس لیے عام ایام کے لیے بھی اور خصوصًا ماہِ رمضان کے لیے بھی اپنی گھڑیاں ملک کے معیاری وقت کے مطابق کر لینی چاہییں۔

## نقشے کے مندرجات:

اوقاتِ نماز کے نقشوں میں عام طور پر درج ذیل امور کا ذکر ہوتا ہے:

- فجر / صبح صادق۔
- طلوعِ آفتاب۔
- اشراق۔
- زوالِ آفتاب/استوائے آفتاب۔
- عصرِ شافعی/ مثلِ اوّل۔
- عصرِ حنفی/ مثلِ ثانی۔
- غروبِ آفتاب/ مغرب۔
- عشا۔

ذیل میں ان سے وابستہ ہونے والے احکام ومسائل ذکر کرتے ہیں۔

# فجر/صبح صادق

نقشے میں مذکور فجر اور صبح صادق کے وقت کے ساتھ درج ذیل احکام وابستہ ہوتے ہیں:

1۔ اسی کے ساتھ ہی رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح کا آغاز ہو جاتا ہے۔

2۔ اسی کے ساتھ ہی نمازِ عشا اور نمازِ وتر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے یہ دونوں نمازیں قضا ہو جاتی ہیں۔

3۔ اسی کے ساتھ ہی نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

4۔ اسی کے ساتھ سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے کہ یہ وقت داخل ہو جانے کے بعد سحری کرنا ممنوع ہو جاتا ہے۔

5۔ اسی کے ساتھ ہی روزہ شروع ہو جاتا ہے۔

6۔ اسی کے ساتھ ہی شرعی دن شروع ہو جاتا ہے، جس کے آدھے دن کو ''نصف النہار شرعی'' کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ زوال کو ''نصف النہار عرفی'' کہا جاتا ہے جو کہ سورج طلوع ہونے سے لے کر سورج غروب ہونے تک کا آدھا دن ہوتا ہے۔

7۔ اسی کے ساتھ ہی قضا، کفارے اور نذر کے روزوں کی نیت کا وقت ختم ہو جاتا ہے کہ یہ وقت داخل ہو جانے کے بعد ان روزوں کی نیت نہیں کی جاسکتی۔

8۔ اسی کے ساتھ ہی نمازِ فجر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔

9۔ اسی کے ساتھ ہی عید الفطر میں صاحبِ نصاب شخص پر صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے۔

10۔ صبح صادق کا وقت داخل ہو جانے کے بعد عید الاضحیٰ کے دن قربانی کا جانور ذبح کرنا درست ہوتا ہے، البتہ یہ اُن دیہاتوں کے لیے ہے جن میں عید کی نماز واجب نہیں ہوتی، جبکہ شہروں میں اور بڑے دیہاتوں میں جہاں عید کی نماز واجب ہوتی ہے وہاں عید کی نماز کے بعد ہی ذبح کرنا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل قربانی کے مسائل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان جیسے متعدد احکام ایسے ہیں جو صبح صادق سے منسلک ہیں۔

## صبح صادق طلوع ہوتے وقت سورج کتنے ڈگری زیرِ اُفق ہوتا ہے؟

جمہور اہلِ علم کے نزدیک سورج جب 18 درجے زیرِ اُفق ہو تو صبح صادق طلوع ہو جاتا ہے، یہی قول راجح اور اسی پر فتویٰ ہے، اور عموماً مروّجہ اوقاتِ نماز کے نقشے بھی اسی کے مطابق بنائے گئے ہیں، جبکہ بعض اہلِ علم کے نزدیک سورج جب 15 درجے زیرِ اُفق ہو تو صبح صادق طلوع ہو جاتا ہے، گویا کہ ان حضرات کے نزدیک نمازِ فجر کا وقت 18 درجے کے مقابلے میں دس بارہ منٹ بعد شروع ہوتا ہے۔

(ردالمحتار، نوادر الفقہ، فتاویٰ عثمانی، فہم الفلکیات، صبح صادق وکاذب اور وقتِ عشا کی تحقیق از حضرت مفتی رضوان صاحب)

## نمازِ فجر کی اذان کب دی جائے؟

نقشوں میں جو فجر اور صبح صادق کا وقت درج ہوتا ہے یہ وقت داخل ہو جانے کے بعد چوں کہ نمازِ فجر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اس لیے اس کے بعد نمازِ فجر کی اذان دینا بالکل جائز ہے البتہ وقت داخل ہو جانے کے بعد بطورِ احتیاط ایک دو منٹ انتظار کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی سمجھیے کہ چوں کہ بعض اہلِ علم کے نزدیک سورج جب 15 درجے زیرِ اُفق ہو تو صبح صادق طلوع ہو جاتا ہے، اس لیے اگر ان کے قول کی رعایت کرتے ہوئے عام دنوں میں وقت داخل ہو جانے کے بعد دس بارہ منٹ تاخیر سے اذان دی جائے تو بہتر ہے تاکہ سب کے نزدیک اذانِ فجر درست ہو جائے، البتہ ماہِ رمضان میں 18 درجے کے قول کی رعایت کرتے ہوئے نمازِ فجر کا وقت داخل ہوتے ہی (ایک دو منٹ کے بعد) فوراً اذان دے دینا ہی مناسب ہے۔

## مردوں اور عورتوں کے لیے نمازِ فجر کا مستحب وقت:

1۔ احادیث مبارکہ کی رو سے مردوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز اندھیرے کی بجائے روشنی میں ادا کریں، یعنی فجر کا وقت داخل ہو جانے کے بعد اس قدر تاخیر سے ادا کریں کہ روشنی پھیل جائے۔ چنانچہ بعض اہلِ علم حضرات کے تجربے کے مطابق سورج طلوع ہونے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے فجر کی نماز ادا کرنے سے

اس پر بخوبی عمل کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ماہِ رمضان میں لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے اندھیرے ہی میں یعنی وقت داخل ہو جانے کے مناسب وقفہ کے بعد فجر ادا کرنا افضل ہے۔ (احسن الفتاویٰ)

2۔ عورتوں کے لیے ہمیشہ اندھیرے ہی میں فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے، یعنی فجر کا وقت داخل ہو جانے کے بعد عورتوں کو چاہیے کہ فجر کی نماز ادا کرلیں اور روشنی پھیلنے کا انتظار نہ کریں۔ (الدر المختار مع رد المحتار، علم الفقہ)

## خواتین مسجد کی اذان کی پابند نہیں:

خواتین کسی بھی نماز میں مسجد کی اذان کی پابند نہیں بلکہ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی وہ نماز ادا کرسکتی ہیں اگرچہ اذان نہ ہوئی ہو، البتہ جن خواتین کو نماز کا وقت داخل ہونے کا علم نہ ہوتا ہو تو ان کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ یا تو کسی سے نماز کا وقت پوچھ لیا کریں یا مسجد کی اذان کا انتظار کریں۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ خواتین کے لیے افضل یہ ہے کہ نمازِ فجر تو اندھیرے میں ادا کریں جبکہ باقی نمازیں مردوں کی جماعت ہو جانے کے بعد ادا کرلیا کریں۔ (الدر المختار، علم الفقہ، آپ کے مسائل اور ان کا حل)

ذیل میں سحری کے وقت سے متعلق چند اہم مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

## سحری کا وقت رات ہی کو ہے:

جب صبح صادق طلوع ہونے کا وقت قریب آتا ہے اور رات ختم ہونے لگتی ہے تو رات ختم ہونے سے پہلے پہلے سحری بند کرلینی ضروری ہے، کیوں کہ سحری کا وقت رات کو ہے نہ کہ صبح کو، اس لیے جو لوگ صبح صادق کا وقت داخل ہو جانے کے بعد بھی کھاتے پیتے ہیں ان کا روزہ ہرگز درست نہیں۔ (اعلاء السنن)

## فجر کی اذان کے دوران سحری بند کرنے کا حکم:

بہت سے لوگ فجر کی اذان کے دوران بھی کھاتے پیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اذان ختم نہ ہو جائے اس وقت تک سحری کا وقت باقی رہتا ہے، یاد رہے کہ یہ کھلی غلطی ہے، کیوں کہ اذان صبح صادق طلوع

ہو جانے کے بعد ہوتی ہے جبکہ سحری رات ہی کو بند کرنی ضروری ہے، اس لیے جو لوگ اذان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں وہ در حقیقت رات کے بجائے صبح کو سحری بند کر رہے ہوتے ہیں حالاں کہ شریعت کے دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ سحری کا وقت رات ہی کو ہے نہ کہ دن کو، اس لیے ایسے حضرات کا روزہ ہر گز درست نہیں۔

## سحری بند کرنے میں فجر کی اذان کا کوئی اعتبار نہیں:

ما قبل کی تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ سحری بند کرنے میں اصل اعتبار اذان کا نہیں بلکہ صبح صادق کا ہے کہ جب صبح صادق طلوع ہو جائے اس کے بعد کھانے پینے سے روزہ ہوتا ہی نہیں، اگرچہ اذان نہیں ہوئی ہو، کیوں کہ اذان تو صبح صادق کے بعد ہی ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح بعض مساجد میں صبح صادق سے پہلے ہی فجر کی اذان دے دیتے ہیں، ایسی صورت میں بھی اصل اعتبار صبح صادق ہی کا ہو گا کہ اگرچہ اذان ہو چکی ہو لیکن چوں کہ صبح صادق طلوع نہیں ہوا ہوتا اس لیے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک سحری کھانا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ودیگر کتب)

## تنبیہ:

بہتر یہی ہے کہ صبح صادق طلوع ہونے سے چند منٹ پہلے روزہ بند کر لیا جائے تاکہ احتیاط رہے۔

## مساجد سے سحری بند کرنے کے لیے اعلان کا اہتمام:

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق شروع ہونے سے تقریباً پانچ منٹ پہلے مساجد سے سائرن وغیرہ کے ذریعے سحری بند کرنے کی اطلاع دینے کی صورت اختیار کی جائے اور عوام کو مطلع کیا جائے کہ سحری بند ہونے سے پانچ منٹ پہلے سائرن وغیرہ کے ذریعے اطلاع دی جائے گی، اس طرح جب سائرن وغیرہ کا اہتمام ہو گا تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ سحری پانچ منٹ کے اندر اندر بند کر لینی ہے، اس سے عوام کے روزے محفوظ ہو سکیں گے۔

# طلوعِ آفتاب

نقشے میں مذکور طلوعِ آفتاب کے وقت کے ساتھ درج ذیل احکام وابستہ ہیں:

1۔اسی کے ساتھ ہی نمازِ فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے یعنی نمازِ فجر قضا ہو جاتی ہے۔

2۔اسی کے ساتھ ہی طلوعِ آفتاب کا مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ تقریباً دس منٹ تک رہتا ہے۔

# اشراق

نقشے میں مذکور اشراق کے وقت کے ساتھ درج ذیل احکام وابستہ ہیں:

1۔اسی کے ساتھ ہی طلوعِ آفتاب کا مکروہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔

2۔یہ وقت ہو جانے کے بعد اشراق اور چاشت کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

3۔یہ وقت ہو جانے کے بعد نفل نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں۔

4۔یہ وقت ہو جانے کے بعد نمازِ فجر سمیت تمام قضا نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں۔

5۔نمازِ فجر کی جو سنت نماز رہ گئی ہو تو وہ بھی اشراق کا وقت ہو جانے کے بعد سے لے کر زوال سے پہلے تک ادا کی جاسکتی ہے۔

## اشراق کی نماز کا وقت:

جب سورج طلوع ہو جائے اور مکروہ وقت ختم ہو جائے تو اشراق کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور یہی اس کا افضل وقت ہے، البتہ اشراق کی نماز سورج نکلنے کے بعد سے لے کر زوال سے پہلے تک کسی بھی وقت ادا کی جاسکتی ہے۔ جو حضرات کسی مشغولیت کی وجہ سے سورج نکلنے کے بعد اشراق کی نماز ادا نہ کر سکیں تو وہ زوال کے مکروہ وقت سے پہلے تک کسی بھی وقت یہ نماز ادا کر کے فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔

(احسن الفتاویٰ، نفل وسنت نمازوں کے فضائل واحکام از مفتی محمد رضوان صاحب دام ظلہم)

## چاشت کی نماز کا وقت:

چاشت کی نماز سورج طلوع ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک کسی بھی وقت ادا کرنا جائز ہے، البتہ اس کا افضل وقت دن کا چوتھائی حصہ گزر جانے کے بعد ہے کہ سورج طلوع ہونے سے لے کر سورج غروب ہونے تک جتنا بھی وقت ہے اس کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اس کا پہلا چوتھائی حصہ جب گزر جائے تو یہ چاشت کا افضل اور بہتر وقت ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار)

# زوالِ آفتاب / استوائے آفتاب

سورج طلوع ہونے کے بعد سے لے کر سورج ڈوبنے تک پورے دن کا جتنا بھی وقت ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان دونوں کے درمیانی حصے کو ''نصف النہار عرفی'' یعنی آدھا دن کہتے ہیں، یہی وہ وقت ہوتا ہے جب سورج خطِّ اِستوا سے گزر رہا ہوتا ہے اور ہمارے سروں کے اوپر ہوتا ہے۔ جب سورج اس کیفیت سے گزر کر مغرب کی طرف ڈھلنے لگتا ہے تو اس کو زوال کہتے ہیں۔ شریعت کی نگاہ میں یہ نصف النہار عرفی (یعنی سورج کے استوا کا وقت) مکروہ اور ممنوع وقت کہلاتا ہے۔ چوں کہ سورج تو استوا کے وقت ٹھہرتا نہیں بلکہ وہ اپنا سفر مسلسل جاری رکھے ہوئے ہوتا ہے، اس لیے استوا کا یہ وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے جو کہ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں پورا ہو جاتا ہے، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اوقاتِ نماز کے نقشوں میں جو زوال کا وقت لکھا ہوا ہوتا ہے اس سے چند منٹ پہلے اور چند منٹ بعد کے وقت کو مکروہ وقت شمار کرتے ہوئے اس میں نماز نہ پڑھی جائے، بعض اہلِ علم حضرات نے سہولت کی خاطر زوال کے وقت سے 5 منٹ پہلے اور 5 منٹ بعد احتیاط کرنے کی ترغیب دی ہے۔ یہاں یہ غلط فہمی دور رہے کہ دوپہر کو سورج کے زوال کا وقت وقتِ مکروہ نہیں، بلکہ سورج کے استوا کا وقت مکروہ وقت کہلاتا ہے جس کی تفصیل بیان ہو چکی، شاید لوگوں کی سہولت کی خاطر استوا کی بجائے زوال کہہ دیا جاتا ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، عمدۃ الفقہ، دائمی نقشہ اوقاتِ نماز از جامعہ دار العلوم کراچی)

نقشے میں مذکور زوال کے وقت کے ساتھ درج ذیل احکام وابستہ ہیں:

1۔ یہ زوال کا مکروہ وقت ہوتا ہے، البتہ نقشے میں موجود وقت سے احتیاطًا پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد تک مکروہ وقت شمار کرتے ہوئے نماز سے اجتناب کیا جائے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

2۔ اس وقت کے احتیاطًا پانچ منٹ بعد نمازِ ظہر اور نمازِ جمعہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ عصر تک رہتا ہے، عصر کا وقت داخل ہوتے ہی نمازِ ظہر اور نمازِ جمعہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

### گزارش:

ہمارے ہاں اوقاتِ نماز کے نقشوں میں "نصف النہار شرعی" کے اوقات کا اندراج نہیں ہوتا حالاں کہ ان کا بھی اندراج ہونا چاہیے کیوں کہ ماہِ رمضان کے روزوں اور نفلی روزوں کی نیت کرنے میں ان کی بڑی ضرورت پڑتی ہے کہ ان روزوں کی نیت "نصف النہار شرعی" سے پہلے پہلے درست شمار ہوتی ہے، اس کے بعد درست نہیں ہوتی۔ جبکہ عوام کے لیے اس کی پہچان بہت ہی مشکل ہے، اس کا حل یہی ہے کہ اوقاتِ نماز کے نقشوں میں "نصف النہار شرعی" کے اوقات کا بھی اندراج کیا جائے۔

## عصرِ شافعی/ مِثلِ اوّل

نقشے میں مذکور عصرِ شافعی/ مثل اول کے وقت کے ساتھ یہ حکم وابستہ ہے کہ امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک اسی کے ساتھ ہی نمازِ ظہر اور نمازِ جمعہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور نمازِ عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

## عصرِ حنفی/ مِثلِ ثانی

نقشے میں مذکور عصرِ حنفی/ مثل ثانی کے وقت کے ساتھ درج ذیل احکام وابستہ ہیں:

1۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی کے ساتھ ہی نمازِ ظہر اور نمازِ جمعہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور نمازِ عصر

کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہی قول راجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

2۔ واضح رہے کہ نمازِ عصر کا وقت مغرب تک رہتا ہے، مغرب کا وقت داخل ہوتے ہی نمازِ عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

## نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کے اوقات سے متعلق چند وضاحتیں

### ''سایہ اصلی'' اور ''فَيْءُ الزَّوَال'' کی حقیقت:

یہ بات بھی یاد رکھیے کہ سورج کے استواء یعنی زوال کے وقت کسی چیز کا جتنا سایہ ہوتا ہے اس کو ''سایہ اصلی'' اور ''فَيْءُ الزَّوَال'' کہتے ہیں۔ یہ سایہ اصلی اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔

### مِثلِ اوّل اور مِثلِ ثانی کی حقیقت:

جب سورج زوال کے بعد مغربی جانب سفر شروع کرتا ہے تو ہر چیز کا سایہ مشرقی سمت بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ جب سایہ بڑھتے بڑھتے اتنا ہو جائے کہ اُس سایہ اصلی کے علاوہ اس چیز جتنا ہو جائے تو اس کو ''مِثلِ اول''، یعنی ایک مثل کہتے ہیں اور جب سایہ اصلی کے علاوہ سایہ اس چیز کے دوگنا ہو جائے تو اس کو مِثلِ ثانی، مثلَین اور دو مثل کہا جاتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ، عمدۃ الفقہ و دیگر کتب)

### نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کے وقت میں ائمہ کرام کا اختلاف:

جب سورج استواء سے مغرب کی جانب ڈھل جائے یعنی زوال ہو جائے تو اسی سے ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور جب سایہ اصلی کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ دو مثل یعنی دوگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی عصر کی نماز کا وقت داخل ہو جاتا ہے، یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اسی کو فقہ حنفی کے متون میں اختیار کیا گیا ہے اور یہی اصل مذہب ہے، بہت سے حضرات اکابر فقہائے کرام اسی کو ترجیح دیتے ہیں، اور اسی پر فتویٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ مروّجہ اوقاتِ نماز کے نقشوں میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے،

البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جب سایہ اصلی کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ ایک مثل یعنی اسی جتنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی عصر کی نماز کا وقت داخل ہو جاتا ہے، اور یہی دیگر اکثر ائمہ کرام کا مذہب ہے۔ گویا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نمازِ ظہر کا آخری وقت کسی چیز کے سایہ اصلی کو چھوڑ کر مثلَین یعنی دو مثل ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایک مثل ہے۔

## احتیاط پر مبنی قول:

1۔ نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کے وقت میں راجح قول تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، البتہ جہاں تک احتیاط کی بات ہے تو نمازِ ظہر کے آخری وقت میں محتاط قول امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے جبکہ نمازِ عصر کے ابتدائی وقت میں محتاط قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز مثلِ اوّل سے پہلے پہلے ادا کرنے کی کوشش کی جائے جبکہ نمازِ عصر مِثلَین یعنی مثلِ ثانی کے بعد ادا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ یہ دونوں نمازیں تمام ائمہ کرام کے نزدیک درست اور ادا شمار ہوں کیوں کہ جب ظہر کی نماز مثلِ اوّل کے بعد ادا کی جائے گی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تو ادا شمار ہو گی لیکن دیگر ائمہ کرام کے نزدیک قضا شمار ہو گی، اسی طرح اگر عصر کی نماز مثلین سے پہلے ادا کی جائے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ درست نہیں کیوں کہ اب تک ان کے نزدیک وقت ہی داخل نہیں ہوا، جبکہ دیگر ائمہ کرام کے نزدیک نماز ادا شمار ہو گی کیوں کہ ان کے نزدیک وقت داخل ہو چکا ہے۔

2۔ مذکورہ اختلاف میں راجح قول تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، البتہ شدید مجبوری میں دیگر ائمہ کرام کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے جیسا کہ کسی مسافر کو یہ قوی اندیشہ ہو کہ سفر کی وجہ سے مثلِ ثانی کے بعد عصر کی نماز ادا کرنے کی نوبت نہیں آئے گی، بلکہ اس کے قضا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں نمازِ عصر قضا کرنے کی بجائے مثلِ اوّل کے بعد ادا کر لی جائے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر صورتیں بھی ہیں جہاں عصر کی نماز مثلِ اوّل کے بعد ادا کرنے کی گنجائش دی جاتی ہے۔

## ظہر کی نماز کا وقتِ مستحب:

ویسے تو ظہر کی نماز زوال سے لے کر مثلین یعنی دو مثل تک جب بھی ادا کی جائے تو ادا ہی شمار ہوتی ہے البتہ اس کا مستحب وقت یہ ہے کہ سردیوں میں زوال کے بعد جلد ادا کی جائے، جبکہ گرمیوں میں اس قدر تاخیر سے ادا کی جائے کہ سورج کی شدت میں کمی واقع ہو، البتہ مثل اول سے پہلے ہی ادا کرنے کی کوشش کی جائے جس کی وجہ ماقبل میں بیان ہو چکی۔

## جمعہ کی نماز کا وقتِ مستحب:

جمعہ کی نماز میں تعجیل یعنی جلد ادائیگی مسنون ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زوال کے بعد جتنی جلدی ہو سکے اسے ادا کیا جائے، واضح رہے کہ جمعہ کی نماز کا یہ مسنون وقت سال بھر کے لیے ہے، چاہے کوئی بھی موسم ہو، یعنی سردی ہو یا گرمی ہر حال میں تعجیل مسنون ہے۔

## نمازِ عصر کے وقت سے متعلق چند اہم مسائل:

1۔ نمازِ عصر کو تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز ایسے وقت میں ادا کی جائے کہ سنت طریقے سے نماز مکمل کرنے کے بعد بھی اتنا وقت ہو کہ اگر نماز فاسد ہونے کی صورت میں یہ نماز دہرانی پڑے تو اسی طرح مسنون طریقے سے اس کا اعادہ کیا جا سکے اور باجماعت نماز کی صورت میں امام کے سلام کے بعد مسبوق افراد اپنی بقیہ نماز پوری کر سکیں۔ البتہ اتنی تاخیر جائز نہیں کہ عصر کا مکروہ وقت داخل ہو جائے۔
(فتاویٰ عثمانی، عمدۃ الفقہ، رد المحتار)

2۔ ویسے تو نمازِ عصر کا وقت مغرب تک رہتا ہے، نمازِ مغرب کا وقت شروع ہوتے ہی عصر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، البتہ عصر کی نماز میں بلا عذر اس قدر تاخیر کرنا گناہ ہے کہ سورج پیلا پڑ جائے اور اس کی طرف سہولت سے دیکھا جا سکے، جب سورج کی یہ حالت ہو جائے تو عصر کا مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے، اور یہ آخری تقریباً پندرہ منٹ ہوتے ہیں، یعنی یہ آخری پندرہ منٹ عصر کا وقتِ مکروہ کہلاتے ہیں۔ (رد المحتار، عمدۃ الفقہ و دیگر کتب)

3۔ ماقبل میں بیان ہوا کہ عصر کی نماز میں بلا عذر اس قدر تاخیر کرنا گناہ ہے کہ مکروہ وقت داخل ہو جائے، البتہ اگر کسی نے عصر کی نماز ادا نہیں کی یہاں تک کہ عصر کا مکروہ وقت داخل ہو گیا تو ایسی صورت میں وہ اسی مکروہ وقت ہی میں نماز ادا کرے گا اور یہ نماز ادا ہی شمار ہو گی نہ کہ قضا۔ (عمدۃ الفقہ، رد المحتار)

4۔ اگر کسی نے عصر کی نماز شروع کی اور نماز کے دوران ہی سورج غروب ہو گیا اور مغرب کا وقت داخل ہو گیا تو ایسی صورت میں وہ اپنی نماز مکمل کرے، یہ نماز بھی ادا ہی شمار ہو گی نہ کہ قضا۔ (رد المحتار)

# غروبِ آفتاب

نقشے میں مذکور غروبِ آفتاب کے وقت کے ساتھ درج ذیل احکام وابستہ ہیں:

1۔ اسی کے ساتھ ہی نمازِ عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

2۔ اس وقت سے پندرہ منٹ پہلے کا جو وقت ہوتا ہے یہ غروبِ آفتاب کا مکروہ وقت ہوتا ہے۔

3۔ اسی کے ساتھ ہی نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ عشا تک رہتا ہے، نمازِ عشا کا وقت شروع ہوتے ہی مغرب کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔

4۔ اسی کے ساتھ ہی روزہ افطار کرنے کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

## نمازِ مغرب سے متعلق مسائل:

1۔ مغرب کی نماز کا مستحب وقت یہ ہے کہ وقت داخل ہو جانے کے بعد فوری طور پر اس کو ادا کر لیا جائے، یہی افضل ہے۔ (عمدۃ الفقہ، رد المحتار)

2۔ مغرب کا وقت داخل ہو جانے کے متصل بعد اذان دے دی جائے تاکہ جلد ہی مغرب کی نماز ادا کی جا سکے، البتہ بطورِ احتیاط ایک دو منٹ انتظار کر کے اذان دی جائے۔

2۔ مغرب کی نماز میں کسی مجبوری کے بغیر اس قدر تاخیر کرنا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے کہ اندھیرا پھیل جائے اور تارے نکل آئیں یعنی عشا کا وقت قریب آجائے، اس کو مغرب کا مکروہ وقت کہتے ہیں، البتہ عشا کا وقت داخل

ہونے سے پہلے ادا کی جانے والی مغرب کی نماز ادا ہی شمار ہوگی۔ (عمدۃ الفقہ، رد المحتار)

## مغرب کی اذان اور جماعت کے مابین وقفہ کرنے کا حکم:

مغرب کی نماز سے متعلق شریعت کا مزاج یہ ہے کہ وقت داخل ہو جانے کے بعد جس قدر جلدی ہو سکے اس کو ادا کر لیا جائے، البتہ اگر اذان اور جماعت کے دوران دو تین منٹ کا وقفہ دے دیا جائے تاکہ لوگ سہولت کے ساتھ جماعت میں شرکت کر سکیں تو یہ جائز بلکہ دورِ حاضر کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مفید بھی ہے۔ البتہ رمضان میں اس قدر مناسب وقفہ کرنا درست ہے کہ لوگ گھروں میں افطاری کر کے جماعت میں شامل ہو سکیں، البتہ اس قدر تاخیر نہ کی جائے کہ مکروہ وقت داخل ہونے لگے۔ (امداد الفتاویٰ، عمدۃ الفقہ، رد المحتار)

ذیل میں روزہ افطار کرنے کے وقت سے متعلق چند اہم مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

### افطار کا وقت:

جب سورج غروب ہو جائے اور مغرب کا وقت داخل ہو جائے تو روزہ مکمل ہو جاتا ہے اور یہی افطار کرنے کا اصل وقت ہے، اس لیے مغرب کا وقت داخل ہو جانے کے بعد ہی افطار جائز ہے، اس سے پہلے افطار کرنا ہرگز جائز نہیں، اور جب وقت داخل ہو جائے تو ایک دو منٹ کے احتیاط کے بعد جلد افطار کر لینا افضل ہے۔ (اعلاء السنن، رد المحتار)

## روزہ افطار کرنے میں مغرب کا وقت داخل ہونے کا اعتبار ہے:

روزہ افطار کرنے میں اصل اعتبار مغرب کا وقت داخل ہونے کا ہے، یعنی جب مغرب کا وقت داخل ہو جائے تو افطار کرنا جائز ہے اگرچہ اذان نہیں ہوئی ہو۔ اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اگر کسی مسجد میں مغرب کا وقت داخل ہونے سے پہلے ہی اذان دے دی گئی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، یہ اذان نہ تو مغرب کی نماز کے لیے معتبر ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے افطار کیا جا سکتا ہے، بلکہ افطار کے لیے مغرب کے وقت کے داخل

ہونے کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ (اعلاء السنن، رد المحتار ودیگر کتب)

### نمازِ اوّابین کا وقت:

نمازِ اوّابین کا وقت مغرب کی نماز کے بعد سے لے کر عشا کا وقت داخل ہونے تک ہے۔

## عشا

نقشے میں مذکور عشا کے وقت کے ساتھ درج ذیل احکام وابستہ ہیں:

1۔ اسی کے ساتھ ہی عشا کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جو کہ فجر تک رہتا ہے، فجر کی نماز کا وقت شروع ہوتے ہی عشا کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔

2۔ اسی کے ساتھ ہی نمازِ وتر کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ فجر تک رہتا ہے۔

### نمازِ عشا اور نمازِ وتر سے متعلق اہم مسائل:

1۔ ویسے تو عشا کا وقت داخل ہو جانے کے بعد فوری طور پر بھی عشا کی نماز ادا کرنا درست ہے، البتہ نمازِ عشا کو ایک تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے، یعنی سورج غروب ہونے سے لے کر صبح صادق تک جتنا وقت ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو شروع کی ایک تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے، البتہ اگر لوگوں کے لیے اس قدر تاخیر گرانی کا باعث ہو جس کی وجہ سے جماعت میں لوگوں کی شرکت متاثر ہوتی ہو تو عشا کا وقت داخل ہو جانے کے بعد مناسب وقفہ کے ساتھ فوری طور پر بھی عشا کی نماز ادا کرنا درست ہے، کیوں کہ تکثیرِ جماعت یعنی جماعت میں لوگوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت مطلوب ہے۔ واضح رہے کہ عشا کی نماز آدھی رات تک مباح ہے، پھر اس کے بعد تک بلاعذر مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

2۔ جو وقت نمازِ عشا کا ہے وہی نمازِ وتر کا بھی ہے، البتہ وتر کی نماز کو عشا کی نماز سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی نے بھول کر عشا کی نماز سے پہلے وتر کی نماز ادا کرلی تو ادا ہو جائے گی، اسی طرح اگر وتر کی نماز ادا

کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ عشا کی فرض نماز تو فاسد ہوگئی تھی تو ایسی صورت میں بھی وتر کی نماز ادا ہوگئی، اسے دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (رد المحتار، فتاویٰ عالمگیری، عمدۃ الفقہ ودیگر کتب)

## نمازِ تہجُّد کا وقت:

ویسے تو عشا کی نماز کے بعد سے لے کر صبح صادق تک کسی بھی وقت تہجد کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، لیکن تہجد کا افضل وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے کہ سورج غروب ہونے یعنی مغرب کا وقت داخل ہونے سے لے کر صبح صادق تک رات کا جتنا بھی وقت ہے اس کے تین حصے کردیں تو آخری تیسرا حصہ اس کے لیے بہترین وقت ہے۔ (رد المحتار ودیگر کتبِ فقہ)

## نمازِ وتر کے بعد تہجد ادا کرنے کا حکم:

نمازِ تہجد میں بہتر یہی ہے کہ وہ نمازِ وتر سے پہلے ادا کی جائے اور وتر کو رات کی آخری نماز بنائی جائے، لیکن اگر کوئی شخص وتر کے بعد تہجد ادا کرے تب بھی درست ہے، اس لیے جو شخص رات کو اُٹھ کر تہجد ادا کرنے کا عادی ہو تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ تہجد کے بعد وتر ادا کرے۔ اسی طرح جو شخص رات کو اُٹھ کر تہجد ادا کرنے کا عادی نہ ہو تو وہ سونے سے پہلے وتر ادا کرلے، پھر اگر رات کو اٹھنا نصیب ہوا تو تہجد ادا کرلے۔
(رد المحتار)

# شب و روز کے تین مکروہ اوقات اور ان کے احکام

## تین مکروہ اوقات:

ذیل میں شب و روز کے تین مکروہ اوقات اور ان کے احکام ذکر کیے جاتے ہیں:

### 1۔ سورج طلوع ہونے کے وقت:

جب سورج طلوع ہونے لگتا ہے تو مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ کم از کم دس منٹ تک رہتا ہے۔ اوقاتِ نماز کے نقشوں میں طلوعِ آفتاب کا جو وقت لکھا ہوا ہوتا ہے اُس کے بعد سے کم از کم دس منٹ تک مکروہ وقت رہتا ہے۔ (ردالمحتار، اعلاء السنن، احسن الفتاویٰ، دائمی نقشہ اوقاتِ نماز از جامعہ دارالعلوم کراچی)

### 2۔ دوپہر کو سورج کے اِستوا کے وقت:

سورج طلوع ہونے کے بعد سے لے کر سورج ڈوبنے تک پورے دن کا جتنا بھی وقت ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان دونوں کے درمیانی حصے کو ''نصف النہار عرفی'' یعنی آدھا دن کہتے ہیں، یہی وہ وقت ہوتا ہے جب سورج خطِّ اِستوا سے گزر رہا ہوتا ہے اور ہمارے سروں کے اوپر ہوتا ہے۔ جب سورج اس کیفیت سے گزر کر مغرب کی طرف ڈھلنے لگتا ہے تو اس کو زوال کہتے ہیں۔ شریعت کی نگاہ میں یہ نصف النہار عرفی (یعنی سورج کے استوا کا وقت) مکروہ اور ممنوع وقت کہلاتا ہے۔ چوں کہ سورج تو استوا کے وقت ٹھہرتا نہیں بلکہ وہ اپنا سفر مسلسل جاری رکھے ہوئے ہوتا ہے، اس لیے استوا کا یہ وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے جو کہ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں پورا ہو جاتا ہے، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اوقاتِ نماز کے نقشوں میں جو زوال کا وقت لکھا ہوا ہوتا ہے اس سے چند منٹ پہلے اور چند منٹ بعد کے وقت کو مکروہ وقت شمار کرتے ہوئے اس میں نماز نہ پڑھی جائے، بعض اہلِ علم حضرات نے سہولت کی خاطر زوال کے وقت سے 5 منٹ پہلے اور 5 منٹ بعد احتیاط کرنے کی ترغیب دی ہے۔ یہاں یہ غلط فہمی دور رہے کہ دوپہر کو سورج کے زوال کا وقت مکروہ نہیں، بلکہ سورج کے استوا کا وقت مکروہ وقت کہلاتا ہے جس کی تفصیل بیان ہو چکی، شاید لوگوں کی سہولت کی خاطر

استوا کی بجائے زوال کہہ دیا جاتا ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، عمدۃ الفقہ، دائمی نقشہ اوقاتِ نماز از جامعہ دار العلوم کراچی)

## 3۔ سورج ڈوبنے کے وقت:

جب سورج ڈوبنے کا وقت آتا ہے تو سورج کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے، اس کی طرف دیکھنے سے نگاہوں پر کچھ اثر نہیں پڑتا، یہاں سے مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ تقریباً 15 منٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اوقاتِ نماز کے نقشوں میں جو غروبِ آفتاب کا وقت لکھا ہوا ہوتا ہے اس سے تقریباً 15 منٹ پہلے یہ مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے، اور یہ وقت ختم ہو جانے کے بعد مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

(رد المحتار، احسن الفتاویٰ، امداد الفتاویٰ، نفل اور سنت نمازوں کے فضائل اور احکام از مفتی محمد رضوان صاحب)

## مذکورہ مکروہ اوقات کے احکام:

1۔ مذکورہ بالا تین مکروہ و ممنوع اوقات میں قضا نماز ادا کرنا جائز نہیں، ان تین اوقات سے اجتناب کرتے ہوئے ان کے علاوہ دن رات میں کسی بھی وقت قضا نماز ادا کرنا جائز ہے، چاہے عصر کے بعد ہو، فجر کے بعد ہو یا کسی بھی وقت ہو۔ (رد المحتار)

2۔ مذکورہ تین مکروہ اوقات میں نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز نہیں، اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ اگر جنازہ ان تین مکروہ اوقات سے پہلے تیار ہو کر آجائے اور اس کے بعد یہ اوقات داخل ہو جائیں تب تو ان اوقات میں نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز نہیں، ایسی صورت میں مکروہ وقت کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہیے، پھر اس کے بعد نمازِ جنازہ ادا کرنی چاہیے، لیکن اگر جنازہ انہی مکروہ اوقات میں تیار ہو کر آجائے تو ایسی صورت میں ان مکروہ اوقات میں نمازِ جنازہ ادا کرنا درست بلکہ بہتر اور افضل ہے۔ (اعلاء السنن، رد المحتار، فتاویٰ محمودیہ)

3۔ مذکورہ بالا تین مکروہ اوقات میں نفل نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ البتہ نفل نماز سے متعلق یہ بھی یاد رکھیے کہ صبح صادق کا وقت داخل ہونے سے لے کر سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز سے لے کر مغرب کا وقت

داخل ہونے تک؛ان دو اوقات میں بھی نفل نماز ادا کرنا جائز نہیں۔(ردالمحتار)

4۔ مذکورہ تین مکروہ اوقات میں سجدہ تلاوت ادا کرنا جائز نہیں، اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ اگر سجدہ تلاوت کی آیت مذکورہ تین مکروہ اوقات سے پہلے تلاوت کی، پھر اس کے بعد یہ اوقات داخل ہو جائیں تب تو ان اوقات میں سجدہ تلاوت ادا کرنا جائز نہیں، ایسی صورت میں مکروہ وقت کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہیے، پھر اس کے بعد سجدہ تلاوت ادا کرنا چاہیے، لیکن اگر سجدہ تلاوت کی آیت ان تین مکروہ اوقات کے دوران تلاوت کی تو ایسی صورت میں ان اوقات میں سجدہ تلاوت ادا کرنا مکروہِ تنزیہی ہے، یعنی جائز تو ہے البتہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ ان مکروہ اوقات کے بعد ادا کیا جائے۔ (اعلاء السنن، ردالمحتار، فتاویٰ محمودیہ)

## وضاحت:

زیرِ نظر تحریر میں اوقاتِ نماز اور سحر وافطار کا نقشہ سمجھانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، جس کے لیے متعدد مسائل بھی ذکر کرنا ناگزیر تھا۔امید ہے کہ اس تحریر کے بعد نقشے سے متعلق کوئی ابہام باقی نہ رہے گا، ان شاءاللہ۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
27 رجب المرجب 1442ھ/12 مارچ 2021

## مقالہ نمبر 13:

# گانوں کے طرز پر حمد و نعت پڑھنے کی مذمت

**فہرست:**

- حمد و نعت ایک روح پرور عبادت۔
- گانوں کے طرز پر حمد و نعت پڑھنے کے چند مروّجہ گناہ۔
- مذکورہ نامناسب صورتحال میں اہم گزارش۔
- گانوں اور موسیقی کے طرز پر حمد و نعت پڑھنے کے ناجائز ہونے کی وجوہات۔
- گانے کے طرز پر قرآن پڑھنے کی مذمت۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## حمد و نعت ایک روح پرور عبادت:

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مشتمل حمد اور حضور اقدس ﷺ کی مدح پر مشتمل نعت کہنا بلا شبہ ایک اہم اور روح پرور اور ایمان افروز عبادت ہے، اسی طرح حضرات صحابہ کرام کی تعریف پر مشتمل کوئی نظم پڑھنا بھی ایک نیک عمل ہے۔ البتہ یہ عبادت اور نیکی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس وقت قبول ہوسکتی ہے اور اس کے فضائل تبھی حاصل ہوسکتے ہیں کہ جب اس میں شرعی حدود اور احکام کی رعایت کی جائے، لیکن اگر حمد و نعت اور دینی نظموں میں شرعی حدود کی رعایت نہ کی جائے بلکہ شریعت کی خلاف ورزی کی جائے تو اس صورت میں یہ اہم عبادت اور نیکی بھی گناہ بن جاتی ہے۔ اس لیے شرعی حدود میں رہتے ہوئے حمد و نعت کہنا اہم نیکی ہے۔

## گانوں کے طرز پر حمد و نعت پڑھنے کے چند مروّجہ گناہ:

دورِ حاضر میں حمد و نعت اور دینی نظموں میں شامل ہونے والے متعدد گناہوں میں سے ایک گناہ یہ بھی ہے کہ ان میں گانے اور موسیقی کے طرز و آلات شامل ہوچکے ہیں، جس کی وجہ سے حمد و نعت اور دینی نظموں میں درج ذیل گناہ عام ہوچکے ہیں:

1۔ حمد و نعت اور دینی نظموں کو آلاتِ موسیقی کے ساتھ پڑھنا۔

2۔ حمد و نعت اور دینی نظموں کو گانوں اور موسیقی کے لہجے اور طرز پر پڑھنا۔

3۔ گانے اور میوزک کی ریکارڈنگ چلا کر حمد و نعت اور دینی نظموں کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھنے کی مشق کرنا۔

4۔ بعض نعت خوانوں کا گانے والوں کی طرح حرکات بلکہ رقص کرنا۔

5۔ شاعروں کا گانوں اور میوزک کے لہجے اور طرز پر حمد و نعت اور نظمیں لکھنا۔

افسوس کہ حمد و نعت اور دینی نظموں جیسے پاکیزہ، ایمان افروز اور روح پرور اعمال کو بھی مذکورہ بالا گناہوں سے آلودہ کردیا گیا ہے۔ اگر اس کی وجوہات پر غور کیا جائے تو یہ بات نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ حمد و نعت اور دینی نظموں کے ساتھ یہ نامناسب طرز اس لیے اختیار کیا جاتا ہے تاکہ متعدد دنیوی مفادات سمیٹے

جا سکیں، کیوں کہ اگر مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو تو پھر ایسے تمام کاموں سے اجتناب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہوں۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ افسوس ناک صورتحال بھی سامنے آتی ہے کہ بہت سے لوگ ایسے شاعروں اور ثنا خوانوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں، انھیں اپنے جلسوں اور تقریبات میں بھی بلاتے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ نامناسب طرز بڑی شدت سے رواج پا رہا ہے۔

## مذکورہ نامناسب صورتحال میں اہم گزارش:

یہ ساری صورتحال بڑے درد کے ساتھ ہمیں یہ دعوت دیتی ہے کہ ہم سب مناسب طریقے سے اس فتنے کی روک تھام کریں اور ایسے نعت خوانوں کا بالکلیہ بائیکاٹ کریں جو ایسے گناہوں کے مرتکب ہوں۔ اسی طرح حمد ونعت کے عنوان سے جو اکیڈمیاں قائم ہیں وہ بھی اس حوالے سے اپنی کوشش فرمائیں تاکہ یہ حمد ونعت کا مبارک عمل مذکورہ گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو کر شرعی حدود کے دائرے میں آجائے۔

## گانوں اور موسیقی کے طرز پر حمد ونعت پڑھنے کے ناجائز ہونے کی وجوہات:

گانوں اور موسیقی کے طرز پر حمد، نعت اور نظمیں پڑھنے کے ناجائز ہونے کی وجوہات درج ذیل ہیں:

**پہلی وجہ:** شریعت میں گانے اور میوزک حرام اور گناہ ہیں، اس لیے ان کے طرز اور لہجے میں حمد ونعت اور نظمیں پڑھنا بھی ناجائز اور گناہ ہے۔

**دوسری وجہ:** شریعت نے جائز کاموں میں بھی کسی ناجائز اور گناہ والے کام کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ پانی پینا اپنی ذات میں جائز ہے لیکن اس کو شرابیوں کی طرح پینا گناہ ہے۔ (رد المحتار) اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ حمد ونعت اور دینی نظموں کو گانوں اور موسیقی کے مشابہ پڑھنا بھی ناجائز اور گناہ ہے، بلکہ ایسی عبادت اور نیکی کے کام کو کسی گناہ کے مشابہ بنانے اور اس میں فُسّاق کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے اس گناہ کی قباحت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

- طَرِيقَةٍ مُحَمَّدِيَّةٍ وَشَرِيعَةٍ نَبَوِيَّةٍ فِي سِيرَةٍ أَحْمَدِيَّةٍ:

وَأَقْبَحُ التَّغَنِّي مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ وَالذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ. (رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَالْجِنَازَةِ)

**تیسری وجہ:** حمد و نعت اور دینی نظمیں ایک عبادت اور نیک عمل ہیں، اس لیے ان کو گانوں اور موسیقی کے لہجے اور طرز میں پڑھنا ایک عبادت اور نیک عمل کا مذاق اڑانے کی مترادف ہے جو کہ سخت بے ادبی ہے، جس کا سنگین گناہ ہونا بالکل واضح ہے۔

**چوتھی وجہ:** حمد و نعت اور نظموں کے لیے باقاعدہ آلاتِ موسیقی استعمال کیے جاتے ہیں جس کے گناہ اور قابلِ مذمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

**پانچویں وجہ:** حمد و نعت اور نظموں کو گانوں اور موسیقی کے طرز پر پڑھنے سے گانوں اور موسیقی کی قباحت اور سنگینی دلوں سے کم ہوتی اور مٹتی چلی جاتی ہے، حالاں کہ ان گناہوں کی نفرت دل میں ہونا شریعت کا اہم تقاضا ہے۔

**چھٹی وجہ:** حمد و نعت اور نظموں کو گانوں اور موسیقی کے طرز پر پڑھنے کے لیے کئی نعت خواں گانے اور موسیقی سننے کے گناہ کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔

**ساتویں وجہ:** حمد و نعت اور نظموں کو گانوں اور موسیقی کے طرز پر پڑھنے کی وجہ سے دلوں میں غیر شرعی اور غیر اخلاقی جذبات وخیالات جنم لیتے ہیں۔ حالاں کہ حمد و نعت سے دلوں میں ایمانی جذبات وخیالات جنم لینے چاہییں۔

- المدخل لابن الحاج:

وَنَحْنُ لَا نَذُمُّ إِنْشَادَ الشِّعْرِ، وَلَا نُحَرِّمُهُ، وَإِنَّمَا يَصِيرُ الشِّعْرُ غِنَاءً مَذْمُومًا إِذَا لُحِّنَ، وَصُنِعَ صَنْعَةً تُورِثُ الطَّرَبَ، وَتُزْعِجُ الْقَلْبَ، وَهِيَ الشَّهْوَةُ الطَّبِيعِيَّةُ، وَلَيْسَ كُلُّ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْغِنَاءِ لَحَّنَ، وَأَلَذَّ، وَأَطْرَبَ، فَالْمَمْنُوعُ، وَالْمَكْرُوهُ إِنَّمَا هُوَ اللَّذِيذُ الْمُطْرِبُ.

(فَصْلٌ فِي السَّمَاعِ وَكَيْفِيَّتِهِ: تَوْقِيرُ السَّلَفِ لِلْمَسَاجِدِ)

**آٹھویں وجہ:** بعض نعت خواں گانے والوں کی طرح حرکات بلکہ رقص بھی کرتے ہیں، جس کا گناہ ہونا بھی ظاہر سی بات ہے۔

واضح رہے کہ حمد و نعت اور نظموں کو گانے اور موسیقی کے طرز اور لہجے میں پڑھنے کی اور بھی متعدد خرابیاں ہیں، اس لیے اس گناہ سے بالکلیہ اجتناب کی اشد ضرورت ہے۔

## مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دام ظلہم کا فتویٰ:

ذیل میں اس حوالے سے حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دام ظلہم کا ایک فتویٰ ذکر کیا جاتا ہے جس سے یہ مسئلہ مزید واضح ہو سکے گا:

**سوال:** آجکل بعض عوامی شاعر فلمی دھنوں پر نعت لکھتے ہیں اور ایسے نعت مذہبی اجتماعات میں پورے طور سے فلمی سروں میں ادا کیے جاتے ہیں، ایسی نعت گو شاعر مخربِ اخلاق فلمی ریکارڈ سنتے ہوں گے، جبھی تو وہ ان سروں پر نعت کہتے ہیں، ایسے نعت خوانوں اور ایسے دوسرے شائقین کو مخربِ اخلاق فلمی ریکارڈ سننے کا چسکا پڑتا ہے، شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے؟

**جواب:**

”اس کو شومئ قسمت کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے کہ اول تو ہم ہر نیک کام سے روز بروز دور ہوتے جارہے ہیں اور اگر کبھی اچھا کام کرنے کا جذبہ پیدا بھی ہو جاتا ہے تو اس میں جب تک کچھ ناجائز اور حرام کی آمیزش نہ کر لیں تسکین نہیں ہوتی۔ سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے بلاشبہ یہ نعت جیسی روح پرور عبادت کو کھیل تماشا بنانا اور اس کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔“

مفتی صاحب دام ظلہم مزید فرماتے ہیں: ”چنانچہ فقہاء نے کہا کہ اگر کوئی شخص لہو و طرب کے ساتھ پانی یا کوئی اور حلال مشروب شرابیوں کی ہیئت بنا کر پیے تو یہ صورت حرام ہے، علامہ ابن عابدین نے بھی فقہاء کے اس قول سے اتفاق کیا ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ: "من تشبه بقوم فهو منهم" (جو شخص کسی قوم یا گروہ کی نقالی کرے وہ انھی میں سے ہے۔) تو جب ناجائز کام کی نقالی کی اجازت مباح چیزوں میں بھی نہیں تو ایک عبادت کو حرام کے مشابہ بنا کر پیش کرنا تو ناجائز ہونے کے علاوہ عبادت کے ساتھ کھلا مذاق ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی گستاخ نہایت خوش ذائقہ مٹھائی سڑے ہوئے کیچڑ میں لیتھیڑ کر کسی حاکم کو بطورِ تحفہ پیش کرنے کی جسارت کرے۔

ایسے نعت گو حضرات کو اس فعلِ قبیح سے مناسب طریقہ سے روکنا چاہیے اور ان کی ہمت افزائی سے پورا اجتناب کرنا چاہیے۔" (نوادر الفقہ: فلمی دھنوں میں نعت، 2/ 352، 353 مکتبہ دار العلوم کراچی)

## گانے کے طرز پر قرآن پڑھنے کی مذمت:

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "چھ چیزوں سے پہلے موت پر سبقت کرو (یعنی ان کے پیدا ہونے سے پہلے موت کا آجانا بہتر ہے) ان میں سے چھٹی چیز یہ ہے کہ: ایسی (نوخیز) نسل کے لوگوں سے جو قرآن کو گانا بنائیں گے، لوگ ان کو آگے بڑھائیں گے تاکہ وہ ان کے لیے گائے، اگرچہ یہ قرآن کو گانے والے ان میں دین کی سمجھ کے اعتبار سے سب سے کم ہوں گے۔"

- **مسند احمد:**

١٦٠٤٠- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ زَاذَانَ أَبِي عُمَرَ، عَنْ عُلَيْمٍ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عَلَى سَطْحٍ مَعَنَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَزِيدُ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَبْسًا الْغِفَارِيَّ، وَالنَّاسُ يَخْرُجُونَ فِي الطَّاعُونِ، فَقَالَ عَبْسٌ: يَا طَاعُونُ خُذْنِي، ثَلَاثًا يَقُولُهَا، فَقَالَ لَهُ عُلَيْمٌ: لِمَ تَقُولُ هَذَا؟ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ فَإِنَّهُ عِنْدَ انْقِطَاعِ عَمَلِهِ، وَلَا يُرَدُّ فَيُسْتَعْتَبَ». فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَادِرُوا بِالْمَوْتِ سِتًّا: إِمْرَةَ السُّفَهَاءِ، وَكَثْرَةَ الشُّرَطِ، وَبَيْعَ الْحُكْمِ، وَاسْتِخْفَافًا بِالدَّمِ، وَقَطِيعَةَ الرَّحِمِ، وَنَشْوًا يَتَّخِذُونَ الْقُرْآنَ مَزَامِيرَ يُقَدِّمُونَهُ يُغَنِّيهِمْ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْهُمْ فِقْهًا».

مذکورہ حدیث میں قرآن کو گانے کے طرز پر پڑھنے کی شدید مذمت مذکور ہے، اس سے گانے کے طرز پر حمد و نعت اور نظمیں پڑھنے کی مذمت اور ممانعت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

## وضاحت:

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ حمد و نعت اور دینی نظمیں پڑھنے میں خوش آوازی پیدا کرنا اور اس کے لیے آواز میں مناسب اتار چڑھاؤ اور ترنم پیدا کرنا اپنی ذات میں جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ معاملہ یہیں تک رکھنا چاہیے، اس سے آگے بڑھتے ہوئے گانوں اور موسیقی کا طرز اور لہجہ اختیار کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

**فائدہ:** زیرِ نظر مسئلہ کی مزید تفصیل حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دام ظلہم کی کتاب ''قرأت، شعر، سماع اور موسیقی کا حکم'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
24 رجب المرجب 1442ھ/ 9 مارچ 2021

**مقالہ نمبر 14:**

# ایصالِ ثواب کے نام پر اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

**فہرست:**

- ایصالِ ثواب کا حکم اور اس کی قبولیت کی شرائط۔
- رآن کریم کی تلاوت کا ایصالِ ثواب۔
- مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کا جائزہ لینے کی ضرورت۔
- مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کی خرابیاں۔
- اجتماعی قرآن خوانی سے متعلق ایک مفید تفصیل۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## ایصالِ ثواب کا حکم اور اس کی قبولیت کی شرائط:

بطورِ تمہید یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہیے کہ کسی زندہ یا فوت شدہ مسلمان بھائی کے لیے ایصالِ ثواب کرنا شریعت کی نگاہ میں ایک بہترین عمل ہے، اس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے، یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے، اس لیے اس کا انکار کرنا ہرگز درست نہیں۔ البتہ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ ایصالِ ثواب تبھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوسکتا ہے جب اس میں دو باتیں پائی جائیں:

1۔ ایصالِ ثواب اخلاص کے ساتھ ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے، اس میں ریاکاری اور نام ونمود کا جذبہ نہ ہو۔

2۔ ایصالِ ثواب شریعت کی تعلیمات کے مطابق کیا جائے، اس کے لیے خود ساختہ طریقے ایجاد نہ کیے جائیں۔ کیوں کہ جب ایصالِ ثواب شریعت کا عمل ہے تو اس کے لیے طریقہ بھی شریعت والا ہی اختیار کرنا ضروری ہوگا، یہ تو بڑی عجیب بات ہوگی کہ عمل شریعت کا ہو، طریقہ ہمارا خود ساختہ ہو اور پھر اس کو ہم جائز بھی سمجھیں اور اس پر ثواب کی بھی امید رکھیں!!

ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی گئی تو وہ ایصالِ ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت نہیں پاسکتا، جس کے نتیجے میں نہ تو اس عمل کرنے والے کو ثواب مل سکتا ہے اور نہ ہی یہ ثواب کسی دوسرے کو بھیجا جاسکتا ہے، بلکہ ایسا کرنے والا خود گناہ گار ٹھہرتا ہے۔

یہ بنیادی بات اور تمہید سمجھ لینے سے بہت سی غلط فہمیاں اور غلطیاں دور ہوجاتی ہیں اور ایصالِ ثواب کی قبولیت کا صحیح معیار سمجھ آجاتا ہے۔

## قرآن کریم کی تلاوت کا ایصالِ ثواب:

بطورِ وضاحت یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ کسی زندہ یا فوت شدہ مسلمان کو قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچانا بالکل جائز بلکہ مفید ہے، اس لیے چاہے کوئی شخص مکمل قرآن کریم کا ثواب پہنچائے، کسی ایک پارے

کا ثواب پہنچائے، کسی ایک رکوع کا ثواب پہنچائے یا چند آیات کا ثواب پہنچائے؛ یہ سب جائز اور مفید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی زندہ یا فوت شدہ مسلمان کو قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچانے کے لیے ختمِ قرآن بھی ضروری نہیں، بلکہ جس قدر تلاوت کی استطاعت اور توفیق ہو سکے اسی کا ثواب پہنچانا بھی بالکل درست اور نافع ہے۔ اس لیے ایصالِ ثواب کی اس وسعت میں بے جا پابندیاں لگانا ہر گز درست نہیں۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مرّوجہ قرآن خوانی کی رسم کو ناجائز، ممنوع اور بدعت قرار دینے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کا ایصالِ ثواب ہی درست نہیں، بلکہ اعتراض اجتماعی قرآن خوانی کی مروجہ رسم پر ہے، گویا کہ قرآن کریم کی تلاوت کا ایصالِ ثواب کرنے اور ایصالِ ثواب کے نام پر مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کرنے میں واضح فرق ہے اور دونوں کا حکم بھی الگ الگ ہے کہ پہلی صورت جائز جبکہ دوسری ناجائز ہے۔

## مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کا جائزہ لینے کی ضرورت:

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ سمجھ لیجیے کہ آجکل ایصالِ ثواب کی نیت سے اجتماعی قرآن خوانی کا جو عمومی رواج ہو چکا ہے حتی کہ یہ ایک بُری رسم کی صورت اختیار کر چکی ہے، اس حوالے سے یہ غور کرنا چاہیے کہ یہ عمل شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے ذریعے میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ جب ایک کام شریعت میں جائز نہ ہو تو اس کا ثواب نہ تو وہ نیکی کرنے والوں کو ملتا ہے اور نہ ہی میت کو پہنچتا ہے۔

## مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کی خرابیاں:

حفاظ یا محلے اور علاقے والوں یا عزیز و اقارب کو جمع کر کے میت کے ایصالِ ثواب کے نام پر مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کرنے میں متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے یہ رسم ناجائز ہے، جیسے:

1۔ مروجہ قرآن خوانی کا حضور اقدس ﷺ، حضرات صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حالاں کہ ایصالِ ثواب کی ضرورت اس وقت بھی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی انھوں نے ایصالِ ثواب کے

لیے مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کی رسم کو اختیار نہیں کیا، اس لیے آج اس رسم کو ایصالِ ثواب کے نام پر اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

2۔ عموماً مروجہ اجتماعی قرآن خوانی جیسی رسومات میں ریاکاری اور نام ونمود کا عنصر زیادہ ہوتا ہے اور اس کا اہتمام بھی بہت سے لوگ اسی لیے کرتے ہیں تاکہ لوگوں میں نام ہو یا ان کی ملامت سے بچا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں یہ عمل کیسے قبول ہوسکتا ہے اور اس کا ثواب کیسے پہنچ سکتا ہے!!

3۔ مروجہ اجتماعی قرآن خوانی میں بہت سے لوگ اپنی خوشی سے شریک نہیں ہوتے بلکہ نہ چاہتے ہوئے بھی لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لیے مجبوراً شریک ہوجاتے ہیں، حالاں کہ یہ خود اخلاص کے خلاف ہے جو کہ نیکی کی قبولیت میں رکاوٹ بنتا ہے۔

4۔ بہت سے لوگ اس مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کو ضروری سمجھتے ہیں حتی کہ اس میں شرکت نہ کرنے والوں کو ملامت بھی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ تعلقات بھی ختم کردیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ساری صورتحال اس رسم کے ناجائز ہونے کے لیے کافی ہے۔

5۔ مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کی رسم میں ختم کے بعد کھانا یا شیرینی وغیرہ کھلانا ایک لازمی جُز بن چکا ہے، اس کے بغیر یہ رسم پوری ہی نہیں ہوتی، بلکہ بہت سے لوگ اسی نیت سے شرکت کرتے ہیں، حالاں کہ یہ کھانا ایصالِ ثواب پر اجرت کے زمرے میں آتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد مفاسد ہیں جن کی وجہ سے اجتماعی قرآن خوانی کی یہ مروجہ رسم ناجائز ہے۔ مزید تفصیل درج ذیل دو فتاویٰ اور ایک اہم اقتباس میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

## مروجہ اجتماعی قرآن خوانی سے متعلق جامعہ دار العلوم کراچی کے دو فتاویٰ

### فتویٰ 1:

"قرآن مجید کی تلاوت ایک اہم عبادت اور بہت زیادہ باعثِ ثواب ہے اور یہ عبادت اجتماعًا بھی جائز ہے

اور انفرادًا بھی، شریعت نے اس کی کوئی خاص صورت وہیئت متعین نہیں کی۔ آداب و شرائط کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت ثواب ہی ثواب ہے ،البتہ موجودہ دور میں اجتماعی قرآن خوانی کی جو صورت لوگوں نے متعیّن کرلی ہے وہ کئی منکَرات پر مشتمل ہو گئی ہے :

(الف)۔۔لوگوں نے خوشی اور غم کے موقعوں پر انفرادی تلاوت کو بِالعموم ترک کردیا ہے اور اجتماعی قرآن خوانی کے بغیر تلاوت نہیں کرتے۔

(ب)۔۔جو حضرات جمع ہوتے ہیں،ان میں سے بعض تو قرآن خوانی میں اس نیت سے شریک ہوتے ہیں کہ اگر شریک نہ ہوئے تو دعوت دینے والے ناراض ہونگے، بعض کی نیت میل ملاقات،اور بعض کی نیت صرف کھانے پینے کی اور بعض کی قرآن خوانی پر اُجرت لینے کی ہوتی ہے ،ایسی صورت میں پڑھنے والے ہی کو ثواب نہیں ملتا تو ایصالِ ثواب کیسا!...

(ج)۔۔قرآن مجید پڑھوانے والے اکثر اس قرآن خوانی میں شریک نہیں ہوتے،انتظامات میں مصروف رہتے ہیں،انہیں قرآن مجید پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اور جو پڑھتے ہیں ان میں اخلاص سے اور محض ثواب کی نیت سے پڑھنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔

اس لیے اجتماعی قرآن خوانی کا موجودہ رسمی طریقِ کار ٹھیک نہیں، بہتر یہ ہے کہ اپنے طور پر قرآن مجید پڑھنے اور انفرادی طور پر ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا جائے۔"(مأخذہ تبویب: الف218/42)

## فتوىٰ2:

" ایصالِ ثواب اور خیر و برکت کے لیے قرآن مجید کی تلاوت بلاشبہ بہت اہمیت کی حامل ہے، مگر اجتماعی قرآن خوانی مندرجہ ذیل مفاسد کی بناپر ناجائز ہے:

(ا)۔۔جمع ہو کر قرآن پڑھنا نہ فرض ہے،نہ واجب، زیادہ سے زیادہ ایک نفل کام ہے اور نفل کام کے لیے لوگوں کو زبردستی جمع کرنا، نہ آنے پر اعتراض ہونا، دل میں کدورت پیدا ہونا؛ یہ شریعت کی اصطلاح میں

"تداعی" کہلاتا ہے جو کہ پسندیدہ نہیں۔

(۲)۔۔اس اجتماعی قرآن خوانی میں شرکت بطورِ دکھاوے کے ہوتی ہے، خالص اللہ کے لیے نہیں ہوتی، ورنہ اس اجتماع کی کیا ضرورت! انفراداً ایصالِ ثواب میں اس سے زیادہ ثواب ہے۔

(۳)۔۔اس اجتماعی قرآن خوانی میں چونکہ پورے قرآن مجید کے ختم کرنے کی پابندی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بعض اوقات قرآن کے الفاظ کی تجوید کے مطابق صحیح مخارج سے ادائیگی نہیں ہوتی۔

(۴)۔۔سب مل کر قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن سجدۂ تلاوت کوئی نہیں کرتا۔

(۵)۔۔اس میں اکثر نام و نمود پایا جاتا ہے۔

(۶)۔۔کھانے اور شیرینی کی پابندی بھی اس اجتماعی قرآن خوانی کا ایک لازمی حصہ بن چکی ہے، اگر کوئی انتظام نہ کرے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے، لعنت و ملامت کی جاتی ہے، حالانکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اگر ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

البتہ ان مذکورہ بالا مفاسد میں سے کوئی خرابی نہ ہو اور گھر کے لوگ جمع ہو کر قرآنِ کریم پڑھ کر دعا کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ جائز ہے۔" (مأخذہ تبویب:۱۳۳۹/۹۶)

## اجتماعی قرآن خوانی سے متعلق ایک مفید تفصیل:

مروّجہ قرآن خوانی سے متعلق استاد محترم حضرت اقدس مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب دام ظلہم فرماتے ہیں:

## اجتماعی قرآن خوانی کا رواج:

اس سلسلے میں اس وقت میں ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کا آج ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ رواج ہے لیکن سنت میں اس کی یہ شکل و صورت نظر نہیں آتی، وہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے

میں جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو قبرستان ہی میں دفن کے بعد اس کے لیے قرآن خوانی کا اعلان ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات اخبارات میں بھی یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ فلاں شخص کی قرآن خوانی فلاں جگہ پر فلاں تاریخ کو فلاں وقت ہو گی، اور پھر لوگ دور دراز سے سفر کر کے اس اجتماعی قرآن خوانی میں شرکت کا بطور خاص اہتمام کرتے ہیں، بلکہ بعض جگہ تو اس کا رواج اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ ہر محلے میں مکان در مکان نمبر وار یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہتا ہے کہ اس جمعہ کو فلاں مکان میں اجتماعی قرآن خوانی ہو گی، دوسرے جمعہ کو فلاں مکان میں ہو گی اور تیسرے جمعہ کو تیسرے مکان میں ہو گی، یوں ایک مسلسل سلسلہ چل رہا ہے جو ختم ہونے کو نہیں آتا۔

## قرآن خوانی کا چلہ اور دعوت:

جب کسی محلے میں ایک شخص کا انتقال ہوتا ہے تو بعض جگہ چالیس دن تک پورے محلے میں مکان در مکان قرآن خوانی کا سلسلہ چلتا رہے گا، اس دوران اگر دوسرے شخص کا انتقال ہو جائے تو دوسرا چلہ شروع ہو جائے گا، چالیسویں دن جا کر اس کا اختتام ہوتا ہے اور چالیسویں دن خاص طور پر محلے والوں کو بلانے اور خصوصی اجتماع اور کھانے پینے کا اہتمام ہوتا ہے جس میں تمام محلے والے ضرور جمع ہوتے ہیں اور اس طرح چالیسویں دن قرآن خوانی اور ایک شاندار دعوت پر اس کے انتقال کی خوشی اختتام پذیر ہوتی ہے۔

## رواجی قرآن خوانی ثابت نہیں:

جب ہم اس اجتماعی اور رواجی قرآن خوانی پر غور کر کے اور اس کے اندر جو چیزیں پائی جاتی ہیں اُن کا تصور کر کے حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ اور صحابہ کرام کی زندگیوں میں اور ان کی تعلیمات میں تلاش کرتے ہیں تو اس رائج الوقت صورت حال کے ساتھ اس کا کہیں سراغ نظر نہیں آتا، اگر واقعی یہ کوئی پسندیدہ اور مسنون عمل ہوتا تو ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ خود اس کا اہتمام فرماتے، حالانکہ آپ کے سامنے آپ کے بہت سے پیارے پیارے صحابہ کرام کا انتقال ہوا، آپ کی بعض ازواج مطہرات کا انتقال ہوا، آپ کی اکثر بیٹیوں کا انتقال ہوا، آپ کے صاحبزادوں کا انتقال ہوا اور آپ کے قریب ترین عزیزوں کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، لیکن ایک

واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو باقاعدہ اعلان کر کے کہیں جمع ہونے کے لیے کہا ہو کہ میرے فلاں عزیز کا انتقال ہو گیا ہے، آپ سب لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو جائیں اور وہاں ہم سب اکھٹے ہو کر قرآن شریف ختم کریں گے اور ان کے لیے ایصالِ ثواب کریں گے، ایسا کوئی عمل نہیں ملتا، اور جب حضور ﷺ کی زندگی میں ایسا عمل نہیں ملتا تو بعد کے زمانے میں بھی ملنا مشکل ہے، اسی لیے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں بھی ایسا کوئی عمل نہیں ملتا جس کو ہم سند کے طور پر پیش کر سکیں کہ ہمارا یہ عمل حضور ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں ہے یا چونکہ حضور ﷺ نے ایسا کیا تھا لہٰذا ہم بھی ایسا کر رہے ہیں، مگر ایسا کہیں نہیں ملتا، اسی طرح حضرات خلفاء راشدین اور تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں بھی ایسا کوئی عمل نہیں ملتا، اور جب نہیں ملتا تو خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ طریقہ بعد کے لوگوں نے بنایا ہے اور جو طریقہ بعد کے لوگ از خود بنائیں جس کی سند اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے نہ ملتی ہو تو اس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ چونکہ سنت کا رنگ اس کے اندر نہیں ہے اس لیے اس کے اندر بہت سے کام ایسے نظر آئیں گے جو شریعت کی واضح ہدایات کے خلاف ہوں گے، چنانچہ جب ہم اس مروجہ قرآن خوانی میں غور کرتے ہیں تو اس میں بہت سی ایسی باتیں نظر آتی ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں۔

## مروّجہ قرآن خوانی کی خرابیاں:

مثلاً پہلی بات تو یہ ہے کہ اس طرح جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا زیادہ سے زیادہ ایک نفل کام ہے، نہ فرض ہے، نہ واجب ہے اور نہ سنت ہے، اور نفل کام کے لیے لوگوں کو زبردستی اکٹھا کرنا، جمع کرنا، بلانا، اور جمع نہ ہونے پر اعتراض ہونا اور دل میں کدورت پیدا ہونا کہ صاحب! ہم نے آپ کو بلایا تھا مگر آپ نے شرکت نہیں کی، یہ عمل شریعت کے اندر ناپسندیدہ ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو "تداعی" کہا جاتا ہے، یعنی ایک وہ عمل جو شرعًا نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے لیکن اس کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کو اتنی اہمیت دیں کہ اگر وہ شرکت نہ کریں تو اس کی وجہ سے ان کی طرف سے دل میں کدورت پیدا ہو، اس پر اعتراض پیدا ہو اور ان کو اس پر طعنہ دیا جائے کہ آپ نے شرکت کیوں نہیں کی؟ اور اگر اس کو کوئی عذر ہو تو وہ عذر بھی ہمارے نزدیک

قابل قبول نہ ہو، لہذا یہ عمل شریعت میں ناپسندیدہ ہے، اس لیے کہ جب شریعت نے اس کو فرض و واجب اور ضروری قرار نہیں دیا تو تم نے اس کو فرض و واجب کا درجہ کیوں دے دیا؟ [مزید تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:]

## صحیح قرآن خوانی کی تین شرطیں:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آ گیا، یہ واقعہ آپ کے ایک شاگرد نے سنایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب کانپور میں مدرّس تھے تو ایک روز ہم لوگ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سبق پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت والا بہت مغموم بیٹھے ہیں، طبیعت پر غم کے آثار ہیں اور افسردگی ہے، ہم نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہے؟ آپ اس قدر غمگیں کیوں ہیں؟ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ گھر سے خط آیا ہے کہ میری بڑی ہمشیرہ کا انتقال ہو گیا ہے، اس وجہ سے طبیعت **غمگین** ہے۔ شاگردوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ آج ہم سبق نہیں پڑھیں گے، حضرت نے فرمایا کہ میں سبق پڑھانے کے لیے آیا ہوں، آپ اندازہ لگائیں کہ بڑی بہن کا انتقال ہو گیا لیکن اظہارِ غم کے لیے یہ نہیں کیا کہ محفل جما کر بیٹھ گئے، بلکہ غم بھی ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ کام کرنے کے لیے تشریف بھی لے آئے۔ جب شاگردوں نے سبق نہ پڑھنے پر زیادہ اصرار کیا تو آپ نے بھی ان کو سبق پڑھنے پر مجبور نہیں فرمایا، اس کے بعد ان طلبہ نے عرض کیا کہ آج ہم اس گھنٹے میں کچھ قرآن کریم کی تلاوت کر کے مرحومہ کو ایصالِ ثواب کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں چند شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دیتا ہوں، اگر تم ان شرائط کی پابندی کر سکو تو ٹھیک ہے ورنہ رہنے دو۔

**پہلی شرط** یہ ہے کہ تم سب اکھٹے ہو کر قرآن شریف مت پڑھنا بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

**دوسری شرط** یہ ہے کہ جو شخص جتنا آسانی کے ساتھ پڑھ سکے وہ اتنا پڑھ کر ایصال ثواب کر دے، اگر

ایک پارہ پڑھنا ممکن ہو تو ایک پارہ پڑھ لے، آدھا پارہ پڑھ سکتا ہو تو آدھا پارہ پڑھ لے، ایک پاؤ پڑھ سکتا ہو تو ایک پاؤ پڑھ لے، ورنہ کم از کم تین مرتبہ سورۃ اخلاص ہی پڑھ لے، قرآن کریم ختم کرنا کوئی ضروری نہیں۔

**تیسری شرط** یہ ہے کہ جب تم پڑھ کر ایصال ثواب کرلو تو کوئی طالب علم مجھے آکر یہ نہ بتائے کہ حضرت! میں نے آپ کی ہمشیرہ کے لیے اتنا قرآن شریف پڑھا ہے، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اگر تم مجھے بتانے کی نیت سے پڑھو گے تو اس میں خلوص کہاں رہے گا؟ بلکہ اس صورت میں تم اپنے آپ پر جبر کر کے زیادہ پارے پڑھو گے، اس لیے کہ دل میں یہ خیال آئے گا کہ اگر ہم نے ایک پارہ پڑھ کر حضرت والا کو بتایا کہ ایک پارہ پڑھا ہے تو حضرت کہیں گے کہ بس ایک ہی پارہ پڑھا ہے؟ بس ہم سے اتنی ہی محبت تھی؟ اس لیے ہر طالب علم جبر کر کے زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کرے گا جس کی وجہ سے اس میں خلوص باقی نہیں رہے گا، اور جب خلوص نہیں ہوگا تو پڑھنے کا ثواب کیا ملے گا؟ لیکن جب یہ پابندی لگادی کہ مجھے کوئی آکر نہ بتائے تو اب جو طالب علم جتنا بھی قرآن شریف پڑھے گا وہ خلوص سے پڑھے گا، اور خلوص کے ساتھ تین مرتبہ سورتِ اخلاص پڑھنا بغیر خلوص کے پورا قرآن شریف پڑھنے سے یقیناً بہتر ہے۔

لٰہذا اگر ہم بھی یہ تین شرطیں اپنالیں تو ہماری یہ قرآن خوانی بھی درست ہو سکتی ہے، ہماری مروّجہ قرآن خوانی میں یہ تینوں قباحتیں موجود ہیں، جس کی وجہ سے اس کے اندر نہ سنت کا نور ہے اور نہ خلوص کی روح ہے۔ بعض مرتبہ ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہو جاتا ہے، لٰہذا ہمیں بھی یہ شرطیں یاد رکھنی چاہییں اور آئندہ ان پر عمل کرنا چاہیے، نہ پورا قرآن شریف ختم کرنے کو اپنے اوپر لازم کریں اور نہ جمع ہونے کی پابندی کریں، بلکہ ہر آدمی اپنے طور پر اپنی جگہ جتنا ہو سکے قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا کرے۔

(کتاب: مروّجہ قرآن خوانی کی شرعی حیثیت)

## حاصلِ کلام:

کسی زندہ یا فوت شدہ مسلمان کو قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچانا بالکل جائز بلکہ مفید ہے، چاہے مکمل قرآن کریم کا ثواب پہنچائے یا جس قدر بھی تلاوت کی توفیق ہو سکے اسی کا ثواب پہنچادے، لیکن ایصالِ ثواب کے

نام پر مروجہ اجتماعی قرآن خوانی کی رسم متعدد وجوہات کی وجہ سے ناجائز، ممنوع اور واجبُ الترک ہے، اس کا ثواب نہ تو تلاوت کرنے والوں کو ملتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو پہنچایا جاسکتا ہے۔

**فائدہ:** ایصالِ ثواب سے متعلق بنیادی احکام کے لیے بندہ کا رسالہ ’’ایصالِ ثواب شریعت کے مطابق کیجیے‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

## فقہی عبارات

- ردالمحتار:

صَرَّحَ عُلَمَاؤُنَا فِي «بَابِ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ» بِأَنَّ لِلْإِنْسَانِ أَنْ يَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ صَدَقَةً أَوْ غَيْرَهَا كَذَا فِي «الْهِدَايَةِ»، بَلْ فِي زَكَاةِ «التَّتَارْخَانِيَّة» عَن «الْمُحِيطِ»: الْأَفْضَلُ لِمَنْ يَتَصَدَّقُ نَفْلًا أَنْ يَنْوِيَ لِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ؛ لِأَنَّهَا تَصِلُ إِلَيْهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ اهـ هُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ ..... وَأَمَّا عِنْدَنَا فَالْوَاصِلُ إِلَيْهِ نَفْسُ الثَّوَابِ. وَفِي «الْبَحْرِ»: مَنْ صَامَ أَوْ صَلَّى أَوْ تَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهُ لِغَيْرِهِ مِن الْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ جَازَ، وَيَصِلُ ثَوَابُهَا إِلَيْهِمْ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ كَذَا فِي «الْبَدَائِعِ»، ثُمَّ قَالَ: وَبِهَذَا عُلِمَ أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ الْمَجْعُولُ لَهُ مَيِّتًا أَوْ حَيًّا. وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَنْوِيَ بِهِ عِنْدَ الْفِعْلِ لِلْغَيْرِ أَوْ يَفْعَلَهُ لِنَفْسِهِ ثُمَّ بَعْدَ ذَلِكَ يَجْعَلُ ثَوَابَهُ لِغَيْرِهِ؛ لِإِطْلَاقِ كَلَامِهِمْ، وَأَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْفَرْضِ وَالنَّفَلِ. اهـ وَفِي «جَامِعِ الْفَتَاوَى»: وَقِيلَ: لَا يَجُوزُ فِي الْفَرَائِضِ اهـ ..... قُلْت: لَكِنْ سُئِلَ ابْنُ حَجَرٍ الْمَكِّيُّ عَمَّا لَوْ قَرَأَ لِأَهْلِ الْمَقْبَرَةِ الْفَاتِحَةَ هَلْ يُقْسَمُ الثَّوَابُ بَيْنَهُمْ أَوْ يَصِلُ لِكُلٍّ مِنْهُمْ مِثْلُ ثَوَابِ ذَلِكَ كَامِلًا؟ فَأَجَابَ بِأَنَّهُ أَفْتَى جَمْعٌ بِالثَّانِي، وَهُوَ اللَّائِقُ بِسَعَةِ الْفَضْلِ. (مَطْلَبٌ فِي الْقِرَاءَةِ لِلْمَيِّتِ وَإِهْدَاءُ ثَوَابِهَا لَهُ)

- الہدایہ:

الْأَصْلُ فِي هَذَا الْبَابِ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ صَدَقَةً أَوْ

غَيْرَهَا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ؛ لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهِ وَالْآخَرَ عَنْ أُمَّتِهِ مِمَّنْ أَقَرَّ بِوَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالَى وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ، جَعَلَ تَضْحِيَةَ إِحْدَى الشَّاتَيْنِ لِأُمَّتِهِ. (باب الحج عن الغير)

- **ردالمحتار:**

قُلْت: وَقَوْلُ عُلَمَائِنَا لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ يَدْخُلُ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ فَإِنَّهُ أَحَقُّ بِذَلِكَ حَيْثُ أَنْقَذَنَا مِنَ الضَّلَالَةِ، فَفِي ذَلِكَ نَوْعُ شُكْرٍ وَإِسْدَاءُ جَمِيلٍ لَهُ، وَالْكَامِلُ قَابِلٌ لِزِيَادَةِ الْكَمَالِ. وَمَا اسْتَدَلَّ بِهِ بَعْضُ الْمَانِعِينَ مِنْ أَنَّهُ تَحْصِيلُ الْحَاصِلِ؛ لِأَنَّ جَمِيعَ أَعْمَالِ أُمَّتِهِ فِي مِيزَانِهِ. يُجَابُ عَنْهُ بِأَنَّهُ لَا مَانِعَ مِنْ ذَلِكَ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى أَخْبَرَنَا بِأَنَّهُ صَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ أَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ، بِأَنْ نَقُولَ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. (مطلب في زيارة القبور)

- **البحرالرائق:**

وَظَاهِرُ إِطْلَاقِهِمْ يَقْتَضِي أَنَّهُ لَا فَرْقَ بين الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ فإذا صلى فَرِيضَةً وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لِغَيْرِهِ فإنه يَصِحُّ لَكِنْ لَا يَعُودُ الْفَرْضُ في ذِمَّتِهِ؛ لِأَنَّ عَدَمَ الثَّوَابِ لَا يَسْتَلْزِمُ عَدَمَ السُّقُوطِ عن ذِمَّتِهِ، ولم أره مَنْقُولًا. (باب الحج عن الغير)

- **ردالمحتار:**

وَفِي «الْبَزَّازِيَّةِ»: وَيُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَبَعْدَ الْأُسْبُوعِ، وَنَقْلُ الطَّعَامِ إِلَى الْقَبْرِ فِي الْمَوَاسِمِ، وَاتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ أَوْ لِقِرَاءَةِ سُورَةِ الْأَنْعَامِ أَوِ الْإِخْلَاصِ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ اتِّخَاذَ الطَّعَامِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ لِأَجْلِ الْأَكْلِ يُكْرَهُ. وَفِيهَا مِنْ كِتَابِ الِاسْتِحْسَانِ: وَإِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا اه وَأَطَالَ فِي ذَلِكَ فِي «الْمِعْرَاجِ» وَقَالَ: وَهَذِهِ الْأَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَا؛ لِأَنَّهُمْ لَا يُرِيدُونَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالَى.

(مطلب فِي الثَّوَاب عَلَى المصيبة)

- **ردالمحتار:**

فَالْحَاصِلُ أَنَّ مَا شَاعَ فِي زَمَانِنَا مِنْ قِرَاءَةِ الْأَجْزَاءِ بِالْأُجْرَةِ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ فِيهِ الْأَمْرَ بِالْقِرَاءَةِ

وَإِعْطَاءَ الثَّوَابِ لِلْآمِرِ وَالْقِرَاءَةَ لِأَجْلِ الْمَالِ؛ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْقَارِئِ ثَوَابٌ لِعَدَمِ النِّيَّةِ الصَّحِيحَةِ فَأَيْنَ يَصِلُ الثَّوَابُ إِلَى الْمُسْتَأْجِرِ؟ وَلَوْلَا الْأُجْرَةُ مَا قَرَأَ أَحَدٌ لِأَحَدٍ فِي هَذَا الزَّمَانِ بَلْ جَعَلُوا الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ مَكْسَبًا وَوَسِيلَةً إِلَى جَمْعِ الدُّنْيَا -إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ- اهـ.
(مَطْلَبٌ فِي الِاسْتِئْجَارِ عَلَى الْمَعَاصِي)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

15 ذو الحجہ 1442ھ/26 جولائی 2021

**مقالہ نمبر 15:**

# ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

## ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم:

پشت یعنی کمر کی طرف ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ اس طریقے سے پشت کی طرف ٹیک لگا کر سویا جائے کہ مقعد زمین سے اُٹھ جائے، تو اس حالت میں سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے جتنی دیر کے لیے بھی سویا جائے۔

2۔ اس طریقے سے پشت کی طرف ٹیک لگا کر سویا جائے کہ مقعد زمین سے نہ اُٹھے بلکہ زمین پر برقرار رہے تو اس حالت میں سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا چاہے جتنی دیر کے لیے بھی سویا جائے۔

یہ اصولی جواب سمجھ لینے کے بعد اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں جن میں علمی انداز ملحوظ رکھا گیا ہے۔

## وضاحتیں:

1۔ پشت کی طرف ٹیک لگا کر سونے کی حالت میں مقعد زمین سے اُس وقت اُٹھتا ہے جب کمر کچھ زیادہ ہی پیچھے کی جانب جھک جائے، یعنی ٹیک لگانے میں کمر کا جھکاؤ جتنا زیادہ ہوتا ہے اُتنا ہی مقعد کے زمین سے اُٹھنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، جبکہ معمولی سا ٹیک لگانے سے عموماً مقعد زمین سے نہیں اُٹھتا، جیسا کہ عام کرسی یا سیٹ پر بیٹھنے کی صورت میں ٹیک لگا کر سونے سے مقعد اپنی جگہ سے نہیں اُٹھتا، البتہ اگر کوئی شخص اپنی سیٹ پیچھے کی طرف اتنی جھکا دے کہ اس کی طرف ٹیک لگا کر سونے سے مقعد زمین سے اُٹھ جائے تو اس کا حکم واضح ہے کہ اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

2۔ ٹیک لگا کر سونے کی حالت میں مقعد کے زمین سے اُٹھنے کی صورت میں وضو ٹوٹنے اور مقعد کے زمین پر قائم رہنے کی صورت میں وضو نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹنے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس حالت میں اِسترخائے مفاصل پایا گیا ہے یا نہیں؟ قوتِ ماسِکہ باقی ہے یا نہیں؟ جسم ڈھیلا پڑا ہے یا نہیں؟ استرخائے مفاصل کا مطلب یہ ہے کہ جسم اور اعضا ڈھیلے پڑ جائیں، اور قوتِ ماسکہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب بیدار رہتا ہے تو خروجِ ریح کا معاملہ اس کے اختیار میں ہوتا ہے اور اس کو ریح روکنے پر قدرت اور قوت حاصل ہوتی ہے، اسی کا

نام قوتِ ماسکہ ہے یعنی ریح روکنے کی قوت، لیکن جب آدمی سو جاتا ہے تو پھر اپنے آپ پر اس کو اختیار باقی نہیں رہتا، اور نیند کی متعدد صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں اس کے اعضاڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور وہ قوتِ ماسکہ باقی نہیں رہتی جو کہ اپنے اختیار سے ریح روکنے میں معاون ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ریح نکلنے کا امکان بڑھ جاتا ہے، جبکہ نیند کی بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن میں استرخائے مفاصل نہیں پایا جاتا اور قوتِ ماسکہ بھی باقی رہتی ہے جس کی وجہ سے ریح خارج ہونے کے امکانات کم سے کم بلکہ معدوم ہو جاتے ہیں۔

تو اگر کوئی شخص اس طرح پشت کی طرف ٹیک لگا کر سو جائے کہ اس میں استرخائے مفاصل بھی پایا جائے اور قوتِ ماسکہ بھی باقی نہ رہے جو کہ وضو ٹوٹنے کا ظاہری سبب ہے تو وضو ٹوٹے گا ورنہ تو نہیں، کیوں کہ استرخائے مفاصل پائے جانے اور قوتِ ماسکہ قائم نہ رہنے کی صورت میں خروجِ ریح کا امکان زیادہ ہوتا ہے جو کہ وضو ٹوٹنے کا اصل سبب ہے، اور چوں کہ نیند کی حالت میں یہ معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے کہ ریح خارج ہوئی ہے یا نہیں اس لیے اس کے ظاہری سبب [یعنی استرخائے مفاصل کے پائے جانے اور قوتِ ماسکہ کے باقی نہ رہنے] کو اس کے قائم مقام قرار دے کر اسی بنیاد پر وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا، گویا کہ اب نیند کی حالت میں وضو ٹوٹنے کے اصل سبب یعنی خروجِ ریح کو نہیں دیکھا جائے بلکہ اس کے ظاہری سبب یعنی استرخائے مفاصل کے پائے جانے اور قوتِ ماسکہ کے باقی نہ رہنے کو دیکھا جائے گا، تو جس نیند میں استرخائے مفاصل پایا جائے اور قوتِ ماسکہ قائم نہ رہے تو اس پر وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا بھلے وہ نیند جتنے وقت کے لیے بھی ہو۔

تو اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پشت کی طرف ٹیک لگا کر سونے میں جب مقعد زمین پر قائم رہے تو اس حالت میں سونے سے وضو اس لیے نہیں ٹوٹتا کہ اس میں مقعد زمین پر قائم رہنے کی وجہ سے قوتِ ماسکہ باقی رہتی ہے جس کی وجہ سے استرخائے مفاصل نہیں پایا جاتا جو کہ وضو ٹوٹنے کا ظاہری سبب ہے، جبکہ ٹیک لگا کر سونے میں جب مقعد زمین سے اُٹھ چکا ہو تو اس سے وضو اس لیے ٹوٹ جاتا ہے کہ اس حالت میں مقعد زمین سے اٹھ جانے کی وجہ سے قوتِ ماسکہ باقی نہیں رہتی، جس کی وجہ سے استرخائے مفاصل

پایا جاتا ہے جو کہ وضو ٹوٹنے کا ظاہری سبب ہے۔

3۔ واضح رہے کہ متعدد فقہی کتب میں ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹنے کی بات مطلق مذکور ہے کہ اس میں مقعد کے زمین سے اٹھنے یا نہ اٹھنے کا ذکر نہیں، جبکہ دیگر متعدد کتب میں ٹیک لگا کر سونے کے مسئلہ میں باقاعدہ یہ تفصیل مذکور ہے، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ٹیک لگا کر سونے میں جب مقعد زمین سے اُٹھ چکا ہو تو اس میں تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا، البتہ اگر مقعد زمین پر قائم ہو تو اس میں ائمہ فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ظاہر الروایہ اور ظاہر المذہب یہی ہے کہ اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا، اسی کو اکثر مشایخ کرام رحمہم اللہ نے اختیار فرمایا ہے اور ''بدائع الصنائع'' میں اسی کو اصح قرار دیا گیا ہے، جبکہ امام طحاوی، امام قدوری اور صاحبِ ہدایہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اسی کو بعض متون میں اختیار کیا گیا ہے۔ بندہ کی تحقیق کے مطابق راجح قول یہی ہے کہ اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا، اس لیے اس حالت میں سو جانے کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح سونے کے بعد وضو کر لیا جائے، یہ بہتر ہے تاکہ سب ائمہ کرام کے نزدیک نماز درست ہو سکے کیوں کہ عبادات میں احتیاط کا پہلو لینا چاہیے۔

4۔ مذکورہ حکم پشت کی طرف ٹیک لگا کر سونے کی تمام صورتوں کو داخل ہے یعنی چاہے زمین پر سوئے یا عام کرسی اور سیٹ پر یا کسی اور چیز پر۔

## فقہی عبارات

- فتاویٰ ہندیہ:

وَلَوْ نَامَ مُسْتَنِدًا إلَى ما لو أزيل عنه لَسَقَطَ: إن كانت مَقْعَدَتُهُ زَائِلَةً عن الْأَرْضِ نَقَضَ بالإجماع، وإن كانت غير زَائِلَةٍ فَالصَّحِيحُ أَنْ لَا يَنْقُضَ، هَكَذَا في «التَّبْيِينِ».

(الْفَصْلُ الْخَامِسِ في نَوَاقِضِ الْوُضُوءِ)

- الدر المختار:

(وَ) يَنْقُضُهُ حُكْمًا (نَوْمٌ يُزِيلُ مُسْكَتَهُ) أَيْ قُوَّتَهُ الْمَاسِكَةَ بِحَيْثُ تَزُولُ مَقْعَدَتُهُ مِنَ الْأَرْضِ، وَهُوَ النَّوْمُ عَلَى أَحَدِ جَنْبَيْهِ أَوْ وِرْكَيْهِ أَوْ قَفَاهُ أَوْ وَجْهِهِ (وَإِلَّا) يُزِلْ مُسْكَتَهُ (لَا) يَنْقُضْ وَإِنْ تَعَمَّدَهُ فِي الصَّلَاةِ أَوْ غَيْرِهَا عَلَى الْمُخْتَارِ كَالنَّوْمِ قَاعِدًا وَلَوْ مُسْتَنِدًا إلَى مَا لَوْ أُزِيلَ لَسَقَطَ عَلَى الْمَذْهَبِ.

- رد المحتار على الدر المختار:

(قَوْلُهُ: وَيَنْقُضُهُ حُكْمًا) نَبَّهَ عَلَى أَنَّ هَذَا شُرُوعٌ فِي النَّاقِضِ الْحُكْمِيِّ بَعْدَ الْحَقِيقِيِّ بِنَاءً عَلَى أَنَّ عَيْنَهُ غَيْرُ نَاقِضٍ بَلْ مَا لَا يَخْلُو عَنْهُ النَّائِمُ، وَقِيلَ: نَاقِضٌ. وَرُجِّحَ الْأَوَّلُ فِي «السِّرَاجِ»، وَبِهِ جَزَمَ الزَّيْلَعِيُّ، بَلْ حُكِيَ فِي «التَّوْشِيحِ» الِاتِّفَاق عَلَيْهِ ...... (قَوْلُهُ: نَوْمٌ) هُوَ فَتْرَةٌ طَبِيعِيَّةٌ تَحْدُثُ لِلْإِنْسَانِ بِلَا اخْتِيَارٍ مِنْهُ تَمْنَعُ الْحَوَاسَّ الظَّاهِرَةَ وَالْبَاطِنَةَ عَنِ الْعَمَلِ مَعَ سَلَامَتِهَا وَاسْتِعْمَالُ الْعَقْلِ مَعَ قِيَامِهِ، فَيَعْجِزُ الْعَبْدُ عَنْ أَدَاءِ الْحُقُوقِ، «بَحْرٌ». (قَوْلُهُ: بِحَيْثُ) حَيْثِيَّةُ تَقْيِيدٍ: أَيْ كَائِنًا مِنْ هَذِهِ الْجِهَةِ وَبِهَذَا الِاعْتِبَارِ ....... فَالْمُرَادُ زَوَالُ الْقُوَّةِ الْمَاسِكَةِ مِنَ الْجِهَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا بَعْدُ وَفَسَّرَهَا بِقَوْلِهِ: «وَهُوَ النَّوْمُ إلَخْ»، فَلَا يَرِدُ أَنَّهُ قَدْ تَزُولُ الْمَقْعَدَةُ وَلَا يَحْصُلُ النَّقْضُ كَالنَّوْمِ فِي السُّجُودِ. (قَوْلُهُ: وَهُوَ) أَيْ مَا تَزُولُ بِهِ الْمُسْكَةُ الْمَذْكُورَةُ. (قَوْلُهُ: أَوْ وِرْكَيْهِ) الْوَرِكُ بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ وَكَكَتِفٍ: مَا فَوْقَ الْفَخِذِ مُؤَنَّثَةٌ، جَمْعُهُ أَوْرَاكٌ، «قَامُوسٌ». وَيَلْزَمُ مِنَ الْمَيْلِ عَلَى أَحَدِ الْوِرْكَيْنِ -سَوَاءٌ اعْتَمَدَ عَلَى الْمِرْفَقِ أَوْ لَا- زَوَالُ مَقْعَدَتِهِ عَنِ الْأَرْضِ، وَهُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِ «الْكَنْزِ»: «وَمُتَوَرِّكٌ» حَيْثُ عَدَّهُ نَاقِضًا كَمَا فِي «الْبَحْرِ». اهـ ح. أَقُولُ: وَهُوَ غَيْرُ الْمُتَوَرِّكِ الْآتِي قَرِيبًا. ......(قَوْلُهُ: كَالنَّوْمِ) مِثَالٌ لِلنَّوْمِ الَّذِي لَا يُزِيلُ الْمُسْكَةَ، ط. (قَوْلُهُ: لَوْ أُزِيلَ لَسَقَطَ) أَيْ لَوْ أُزِيلَ ذَلِكَ الشَّيْءُ لَسَقَطَ النَّائِمُ، فَالْجُمْلَةُ الشَّرْطِيَّةُ صِفَةٌ لِشَيْءٍ. (قَوْلُهُ: عَلَى الْمَذْهَبِ) أَيْ عَلَى ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ أَخَذَ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي «الْبَدَائِعِ»، وَاخْتَارَ الطَّحَاوِيُّ وَالْقُدُورِيُّ وَصَاحِبُ «الْهِدَايَةِ» النَّقْضَ، وَمَشَى عَلَيْهِ بَعْضُ أَصْحَابِ الْمُتُونِ، وَهَذَا إذَا لَمْ تَكُنْ مَقْعَدَتُهُ زَائِلَةً عَنِ الْأَرْضِ، وَإِلَّا نَقَضَ اتِّفَاقًا كَمَا فِي «الْبَحْرِ» وَغَيْرِهِ.

- البحر الرائق شرح كنز الدقائق:

وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُصَنِّفُ الِاسْتِنَادَ إلَى شَيْءٍ لَوْ أُزِيلَ عَنْهُ لَسَقَطَ؛ لِأَنَّهُ لَا يَنْقُضُ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ إذَا لَمْ تَكُنْ مَقْعَدَتُهُ زَائِلَةً عَنِ الْأَرْضِ، كَمَا فِي «الْخُلَاصَةِ»، وَبِهِ أَخَذَ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ، كَمَا فِي «الْبَدَائِعِ»، وَإِنْ كَانَ مُخْتَارُ الْقُدُورِيِّ النَّقْضَ، وَأَمَّا إذَا كَانَتْ مَقْعَدَتُهُ زَائِلَةً فَإِنَّهُ يُنْقَضُ اتِّفَاقًا. (نواقض الوضوء)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

22 محرم الحرام 1443ھ/31 اگست 2021